سلطان محمود غزنوی

فہرست مضامین

باب اول

اسلامی دنیا دسویں صدی میں

جان استوارت مل کا قول ہے کہ " تقریباً ہر فلسفے یا مذہب کی ماہیت اور اہمیت سے پورے طور پر تو وہی لوگ واقف ہوتے ہیں جو اُس کے بانی ہوتے ہیں یا پھر وہ جو براہ راست اُن کے پیرو ہوتے ہیں - جس وقت تک کسی مذہب یا فلسفے کو دوسرے مذاہب یا فلسفوں پر فضیلت دینے کی جد و جہد جاری رہتی ہے اُس کی قوت اور اثر میں کوئی فرق نہیں آتا بلکہ اضافہ ہی ہوتا رہتا ہے - یہاں تک کہ وہ یا تو غالب آکر سب میں مقبول ہو جاتا ہے یا اُس کی ترقی رک جاتی ہے - جس قدر اثر اُس نے پیدا کیا ہے وہ تو قائم رہتا ہے مگر مزید اشاعت نہیں ہوتی - بالعموم یہی وہ زمانہ ہوتا ہے جس میں سمجھنا چاہیے کہ جو کچھ قوت اور جان اس میں تھی اس کا انحطاط شروع ہوگیا - کیونکہ جب وہ محض ایک موروثی مذہب بن گیا ، جس کو مانا تو گیا لیکن اس پر عمل نہ رہا اور طبیعت مجبور نہ رہی کہ مثل سابق اس کے عقائد سے جو مسائل پیدا ہوں ان پر پوری توجہ کے ساتھ غور کرسکے ؛ تو میلان خاطر یہ ہوجاتا ہے کہ اصلی منشا و مفہوم کو ذہن سے رفتہ رفتہ محو کرکے صرف اس کی ظاہری شکل کو ایک قسم کی بے پروائی اور بے توجہی کے ساتھ قبول کرلیا جائے - گویا اب دل سے اس کو سمجھنے

کی ضرورت نہیں رہتی بلکہ صرف زبان سے اِس طرح تسلیم کرلینا کافی ہوتا ہے کہ جیسے دوسروں کے اعتبار پر ایک بات مان لی ہو''۔

یہ روحانی جوش کی کمزوری تمام مذاہب میں مختلف مواقع پر نمودار ہوئی ہے۔ تاریخ اسلام میں اِس کا دردناک نظارہ نویں صدی عیسوی میں خلافت عباسیہ کے زوال سے تیرھویں صدی عیسوی میں مغلوں کے ہاتھوں اسلامی ایشیا کی بربادی تک دیکھنے میں آیا ہے۔ اِسی دور میں تصوف کو عروج ہوا۔ اس زمانے میں حکمت، ادب، اور فنون میں کارہائے نمایاں ہوئے۔ اور اُن علما کی بدولت جنھوں نے افلاطون اور ارسطو کے فلسفے کا مطالعہ کیا تھا انسانی معلومات کا ذخیرہ بہت وسیع ہوگیا۔ یہ عجیب سیاسی ہل چل کا دور تھا، جس میں سلطنتیں بنیں اور بگڑیں، شہر بسے اور اُجڑ گئے۔ لیکن یہ زمانہ دلفریب مادی تہذیب اور شائستگی کا تھا۔ مذہب کو اِس میں کوئی دخل نہ تھا۔ مسلمانوں میں دینی اشاعت کا ولولہ اپنی عظیم‌الشان کامیابی کے بعد اب باقی نہیں رہا تھا اور اُس مذہب کو جو دنیا میں ادنیٰ طبقے کے لوگوں کو ابھارنے کے لیے آیا تھا سالہا سال کی بدنظمیوں کے جاری رکھنے اور ذاتی اغراض کی حفاظت کے لیے مستقل طور پر پشت و پناہ بنا لیا گیا۔ ایسے مذہبی مسائل جن میں بال کی کھال نکالی جاسکتی تھی ضرورت سے زیادہ تھے اور فرقوں کے باہمی تعصب سے کہ جو اِن مسائل مختلف فیہ کا لازمی نتیجہ تھا، پشتہاپشت کے دامن آلودہ ہیں۔ اِس عہد میں اہل سنت، اور ملاحدہ نے جس بے رحمی سے

ایک دوسرے کو ایذائیں دی ہیں وہ انہوں نے کبھی کافروں
تک سے روا نہ رکھیں کیونکہ غیر مسلم تو بہر حال ایک با عزت
اور برابر کی لڑائی میں برابر کے حریف تھے - اسلام کے معنے
رسوم و روایات کی پابندی ہوگئے تھے اور وہ انفرادی نجات کا
ذریعہ خیال کیا جانے لگا تھا - عوام کی بیداری کے لیے اسلام کا
اب وہ پہلا سا عالمگیر اثر باقی نہ رہا تھا - لوگ حالانکہ اب
بھی اُسی عقیدتمندی سے نمازیں پڑھتے' روزے رکھتے قرآن
کی تلاوت کرتے' اور اپنے نقطۂ نظر سے احکام شرع کے مطابق زندگی
بسر کرتے تھے' مگر اُس نئی دنیا اور نئے آسمان کا خواب بھی ان
کو نظر نہ آتا جس نے عرب فاتحین کے دلوں کو برانگیختہ کیا
تھا - مسلمانوں کا تبلیغی جوش سرد ہو چکا تھا اور وہ اپنے دین
کو اپنے ہی تک رکھنا کافی خیال کرتے تھے - اسلامی دنیا کی
حدود جہاں تک خلفائے بنی اُمیہ نے پہنچا دی تھیں وہیں
پر قائم تھیں - بعد میں کسی نئے ملک یا قوم کا اضافہ نہیں
ہوا - اندرونی حالت کے لحاظ سے بھی اسلامی دنیا کی
سیاسی' مذہبی اور نسلی یک جہتی کا بتدریج شیرازہ
بکھر رہا تھا -

(الف) سیاسی تقسیمیں - 'خلافت کا زوال'

مسلمانوں کے دماغوں سے یہ خیال
کبھی زائل نہیں ہوا کہ تمام اسلامی
آبادیاں خلیفہ کے ماتحت ہونی چاہئیں-
لیکن خلافت کے مقبوضات اس قدر وسیع ہوگئے تھے کہ ان پر
ایک مرکز سے حکومت کرنا محال تھا - گذشتہ دو صدیوں کے
دوران میں خلیفہ کی سیاسی اور انتظامی قوت بھی رفتہ رفتہ
کمزور ہوگئی - مقامی حاکموں نے سر اٹھایا اور بغداد کے

فرامین کو جن کی تعمیل ہارون رشید کے شاندار زمانے میں بے چون و چرا ہوتی تھی اب کوئی خاطر میں نہ لاتا تھا - اسپین آزاد ہو چکا تھا، مصر کے فاطمیوں نے ایک 'حریف خلافت' کی بنیاد ڈال دی تھی، اور عراق، ایران اور ترکستان کی چھوٹی چھوٹی ہمسایہ خاندانی حکومتوں نے خلیفہ کی قوت کو مفلوج کر دیا تھا - لیکن اپنے ہم ملت لوگوں کی نظروں میں خلیفہ کا اخلاقی اقتدار بدرجۂ اتم موجود تھا - وہ جانشین پیغمبر صلعم تھا اور رعایا کو اس کے احترام کا بڑا خیال تھا - وہی تمام اقتدار و اختیارات کا سرچشمہ تھا - بادشاہ اور قبیلوں کے سردار اصولاً اس کے ماتحت تھے - اور اُن کا استحقاق حکومت صرف اسی کی منظوری پر موقوف تھا - سیاسی من چلوں میں نڈر سے نڈر بھی خلیفہ کے اقتدار سے برملا سرتابی کرنے سے پہلے اچھی طرح سوچ لیتا -

چھوٹی خاندانی حکومتیں

چھوٹی خاندانی حکومتوں میں، جو ایران اور ترکستان میں ایک دوسرے کی بیخ کنی میں مصروف تھیں، سب سے مشہور اور طاقتور خاندان سامانیہ تھا جس کی بنا سنہ ۹۱۱ع میں اسمٰعیل سامانی نے ڈالی - ان کا دارالسلطنت بخارا تھا اور اُن کی غیر مستقل حکومت ماوراء النہر اور خراسان پر تھی - باقی صوبوں کے حاکم اور سرکش عہدہ‌دار پیہم ان کی قوت کا مقابلہ کرتے رہتے تھے - جیحون کے اُس پار ترک اور تاتاری تھے - یہ اب تک مشرف بہ‌اسلام نہ ہوئے تھے اور ان پر ان کے قبیلوں کے سردار حکومت کرتے تھے - ان میں سب سے طاقتور خانِ کاشغر تھا - مشرقی ایران میں رکن الدولہ دیلمی نے سنہ ۹۳۳ع میں شیعہ

خاندان بویہ کا سنگ بنیاد رکھا - ان کا دارالسلطنت رے تھا - رفتہ رفتہ ان کی قوت عراق میں بڑھتی گئی یہاں تک کہ بغداد بھی قبضے میں آگیا - خلیفہ کو محلوں میں خواب غفلت میں پڑے رہنے کے لیے چھوڑ دیا گیا اور دیلمی امرا جنھوں نے سپہ سالاری کا لقب اور اختیارات حاصل کر لیے تھے' دارالسلطنت کے دینی معاملات کا انتظام کرنے لگے - دیگر خاندانی حکومتیں اتنی بےشمار اور ادنیٰ درجے کی تھیں کہ ان کے بیان کی یہاں گنجائش نہیں ہے - یہ ہمیشہ ایک دوسرے سے بر سر پیکار رہتی تھیں -

(ب) مذہبی تقسیمیں - سنی' شیعہ اور ملاحدہ

نہ صرف یہ سیاسی قوت کی تقسیم ہی مسلمانوں کی قوت کو کمزور کر رہی تھی بلکہ اس کے علاوہ اعتقادی مسائل میں اس قدر سخت اختلاف پیدا ہوگیا جس کو آج کل کے مسلمان بہ مشکل محسوس کر سکتے ہیں - مسلمانوں میں شیعہ و سنی کی تخصیص بہت پہلے ہو چکی تھی - شیعہ اس کے دعویدار تھے کہ پیغمبر خدا کے چچا زاد بھائی اور داماد' حضرت علی رض کو ان کا پہلا جانشین ہونا چاہیے تھا' برخلاف اس کے سنی' خلفاے راشدین کی علی الترتیب جانشینی کو برحق تصور کرتے تھے - یعنی اول حضرت ابوبکر رض' پھر حضرت عمر رض ' پھر حضرت عثمان رض ' پھر حضرت علی رض رفتہ رفتہ اِس سیاسی اختلاف نے ایک اہم صورت اختیار کرلی - ایرانی نقطۂ نظر سے اسلامی تعلیم کی توجیہ کرنے والے شیعہ کہلانے لگے اور عربی نقطۂ نظر سے توجیہ کرنے والے سنی[۱] -

[۱]—یہ بات کسی قدر وضاحت سے بیان کرنے کی محتاج ہے - دنیا

باوجود اس کے ابھی تک جمہور اہل سنت اور اہل تشیع کے درمیان اِس قدر شدید اختلاف نہیں ہوا تھا کہ جتنا آئندہ واقع ہوا - ایک فرقہ دوسرے میں نامعلوم طور پر جذب ہو جاتا تھا اور یہ کہنا دشوار تھا کہ سنیت کہاں پر ختم ہوتی ہے اور شیعیت کہاں سے شروع ہوتی ہے - اس زمانے میں بہت سے لوگوں نے یہ فیصلہ کرنے میں دشواری محسوس کی ہوگی کہ وہ اصل میں کون سے فرقے سے تعلق رکھتے تھے - لیکن سخت ترین دشمنی اور مخاصمت کٹر سنیوں اور شیعوں کے اس متعصب گروہ کے درمیان تھی جو بارہ اماموں

کے بڑے بڑے مذاہب دو گروہوں میں تقسیم کئے جا سکتے ہیں - اول ' سامی (یہودیت ' نصرانیت اور اسلام) دوم ' آریائی (ہندو مت ' جین مت اور بدھ مت) اجمالی طور پر سامی مذاہب عقیدے کے اخلاقی پہلو پر زیادہ زور دیتے ہیں اور آریائی الہیات (مابعدالطبیعیات) پر - جب ایران پر عربوں کا تسلط ہوا تو ایرانیوں نے فطرتاً اس نئے مذہب کو اپنے موجودہ مابعدالطبیعی عقائد کی روشنی میں دیکھا جو ہندوؤں سے بہت کچھ مشابہ تھے - اِن میں سب سے مشہور مسئلہ ' حلول تھا ' یعنی ذات باری کا شکل انسانی میں نمودار ہونا - ہر مذہب نے کسی نہ کسی طور پر عالم روحانی اور مادی کے مابین تعلقات کا ذریعہ معلوم کرنے کی ضرورت محسوس کی ہے - اسلام میں حضرت جبرئیل ایک عالم کا پیغام دوسرے عالم میں لے جاتے ہیں - آریائی مذاہب اِس کی تشریح یوں کرتے ہیں کہ خالق اوتاروں کے بھیس میں نازل ہو کر مخلوق کو شریعت کی تلقین کرتا ہے مذہب اسلام میں شیعی فرقہ آریوں سے بہت زیادہ متاثر ہوا - شیعوں کے غالی فرقے پیغمبروں اور اماموں دونوں کو اوتار الٰہی سمجھتے ہیں - اہل سنت کے نزدیک یہ اعتقاد بہ منزلۂ بت پرستی ہے - درحقیقت شیعیت اور سنیت دونوں کو ایک مشترک عقیدے کی جائز تاویلیں سمجھنا چاہیے ' اور اِس کے ثبوت میں بھی کوئی معقول وجہ نہیں دی جاسکتی کہ مسئلۂ زندگی پر عربوں کا نقطۂ نظر ایرانیوں کی نسبت حقیقت سے قریب ترکیوں شمار کیا جائے - ایک اور ہندی آریائی عقیدہ وحدۃالوجود (ہمہ اوست) کا تھا ' اِس عقیدے کے بموجب کل کائنات کا ظہور ایک ہی ' کون '

میں سے صرف سات پر ایمان رکھتا تھا اور عام طور پر ملاحدہ کے نام سے مشہور تھا - یہ متعصب گروہ اگرچہ بہت سے فرقوں میں منقسم تھا، جن میں عرب کے اسماعیلی اور ملتان کے قرمطی سب سے زیادہ بدنام تھے، لیکن اہل سنت کی مشترکہ منافرت کی وجہ سے ان میں آپس میں اتفاق ہوگیا تھا - کیونکہ موخرالذکر (اہل سنت) آنکھیں بند کرکے بلا لحاظ اس کے کہ اِلحاد کی مختلف صورتوں میں امتیاز کریں ایک سرے سے تمام ملاحدہ کو سخت سزائیں دیتے تھے - اہل سنت کے نقطۂ نظر سے ملاحدہ کی اصولی غلطی یہ تھی کہ وہ ائمہ کے

سے ہوا ہے - اور تمام تغیر و تبدل 'ایک کائناتی مقصد' کی دلیل ہے - سامی تخیل کے برخلاف 'جو شرع کو ایک بیرونی حکم تصور کرتا ہے' آریا یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ شریعت خود نفس کی باطنی آرزو ہے - موجودہ اسلامی تصوف جس کا نام ہے وہ اصل میں ہندی ' ایرانی ' وحدت الوجودی سانچے میں ڈھلا ہوا اسلام ہے جس میں بندہ ' خدا سے جدا کوئی ہستی نہیں رکھتا اور نہ شریعت' باہر سے نافذ کیا ہوا حکم ہوتا ہے - مسلمان صوفیوں نے ہمیشہ اِس بات کا دعویٰ کیا ہے کہ اُن کے اِعتقادات قرآن پر مبنی ہیں اور حقیقت بھی یہی ہے - گو اِن اعتقادات کو وہ لوگ کتنا ہی برا اور مذموم کیوں نہ سمجھیں جن کا خیال ہے کہ مذہب بغیر مابعدالطبیعی وضع' اختیار کئے بھی بہت عرصے تک بر قرار رہ سکتا ہے - لیکن مسلمان صوفیوں کا اِس پر اصرار ' اِس امر کی شہادت ہے کہ اسلام میں تصوف کا ظہور ایرانی حکما کا کام تھا جن کی رگ و پے میں وحدانیت کا اعتقاد سرایت کر گیا تھا نیز یہ کہ مکمل صورت میں تصوف کی تعلیم اور جدید افلاطونیوں اور اپنشدوں کا فلسفہ اصل میں ایک ہے - غرض مذہب اسلام کو حلولی نظریے کی روشنی میں دیکھنے سے شیعیت وجود میں آئی' جس کے راسخ الاعتقاد پیروؤں کا دعویٰ ہے کہ حضرت علی رض کو خلیفۂ اول ہونا چاہیے تھا مگر ملاحدہ' حضرت علی رض اور اماموں کے اوتار ہونے کے مدعی ہیں اور اسلام کو آریائی وحدت کے قالب میں ڈھالنے سے تصوف نکلا' جو دنیائے تخیل میں ہندی ایرانی تخیل کا بہترین کارنامہ ہے -

اوتار ہونے کا یقین رکھتے تھے - لیکن ہر طرح کے عیب ان کو لگائے گئے - ان کے مذہبی اعتقادات سے زیادہ ان کا مفروضہ چال چلن سنیوں کی مجنونانہ آتش تعصب کو بھڑکاتا تھا - ملاحدہ ناجائز تعلقات رکھنے اور ممنوع حدود میں شادیاں حلال قرار دینے کے ملزم ٹھہرائے جاتے تھے - ایک جرم ان کا یہ بھی تھا کہ قتل کر دینا ان کے ہاں سیاسی حکمت عملی میں داخل تھا - یہ بڑی حد تک صحیح تھا - نیز یہ کہ وہ بجائے دنیوی سلطنت کے ایک الحادی وراثت قائم کرنے میں کوشاں تھے - جہاں کہیں کوئی ملحد نظر آتا فوراً قتل کر دیا جاتا - ملاحدہ کے لیے اصولاً ہلکی سے ہلکی سزا سیدھی سادی موت تصور کی جاتی تھی - اور اگر کوئی ملحد مغلوب الغضب عوام کے ہاتھوں پارہ پارہ ہونے سے بچ جاتا تو حکومت اس کو سخت سے سخت عذاب کے ساتھ جو ایک انسانی دماغ اختراع کر سکتا ہے مروا ڈالتی تھی - اِس سفاکی کا جواب ملاحدہ اُن ہتھیاروں سے دیتے جو ہمیشہ صاحب عزم اقلیت کے پاس ہوتے ہیں - چنانچہ انھوں نے خفیہ انجمنیں بنائیں جن کا سراغ سلطنت کی ساری بےڈھنگی خفیہ پولیس بھی نہ لگا سکتی تھی اور ان کے مبلغین (داعی) مختلف بھیسوں میں دنیائے اسلام کے ہر گوشے میں پہنچ گئے - انھوں نے اور زیادہ بےباک ہوکر مصر کی 'حریف خلافت' قائم کی' مقامات مقدسہ پر قابض ہوگئے' اور خانۂ کعبہ سے حجراسود تک لے گئے - بالآخر انھوں نے ایران میں چند قلعوں پر قبضہ کر لیا جن میں الموت خاص تھا - قتل و خوں ریزی کو ترقی دے کر فن لطیفہ بنا دیا - سنی بادشاہوں' مدبروں اور مولویوں کو ہر وقت یہ

کھٹکا لگا رہتا کہ کب خونی ملاحد کا خنجر ان کو ہلاک کر دے - بایں ہمہ یہ دیوانگی کا سماں تیرھویں صدی کے وسط تک بندھا رہا - جب مغل فاتحین کے ڈنڈے کے نیچے اہل سنت اور ملاحدہ دونوں کو سرنگوں ہونا پڑا [٢] -

(ج) نسلی تقسیمیں - ایرانی عرب اور ترک

پیغمبر خدا نے مکہ میں اپنے آخری خطبے میں فرمایا تھا ' " اور یہ تم کو میری آخری نصیحت ہے کہ تم سب آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو " مسلمان اپنے مذہب کے کسی اور

[٢] قرمطیوں اور اسماعیلیوں کا تذکرہ ہمارے مبحث سے باہر ہے - ان کے حالات اور ان نظام دونوں نہایت دلچسپ ہیں - ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمام انقلابی اقلیتوں کی طرح ان میں بھی مختلف خیال کے لوگ موجود تھے ' حکیم "ناصر خسرو" جیسے صلح منش فلسفی سے لگا کر گلکٹوں اور قاتلوں تک ' نظام الملک نے ' سیاست نامہ ' میں ان کو قبل اسلام کا ایرانی فرقہ بتایا ہے جس کی بنیاد رسول مقبول صلعم سے ایک پشت پہلے مزدک نے ڈالی تھی اور جو اشاعت اسلام کے بعد بھی جاری رہا - الموت کے قلعے اور اس کی " فردوس بریں " پر ایک عجیب سر مکتوم چھایا ہوا ہے یہ وہ مقام ہے جہاں سے " شیخ الجبل " اپنے نوجوانوں کو مخالفین کے قتل کرنے کی غرض سے بھیجا کرتا تھا - ان کو " حشیشین " بھی کہتے ہیں کیونکہ بہشت میں لے جانے سے پہلے ان کو " حشیش " کا نشہ دیا جاتا تھا - کہتے ہیں کہ اس بہشت کی حوروں کا نوجوانوں کی قوت متخیلہ پر اتنا گہرا اثر ہوتا کہ ان کی روح کو اس بیرونی دنیا میں کوئی راحت نہ ملتی اور وہ اس دھن میں لگے رہتے کہ بہادری سے کسی اہل سنت کے پیٹ میں خنجر بھونک کر خود بھی جام شہادت نوش کریں اور سیدھے بہشت میں جا داخل ہوں - اس قلعے کو چنگیز کے پوتے ہلاکو نے برباد کردیا - اس مضمون پر مزید معلومات کے لیے ' سیاست نامہ ' کے ' روضۃ الصفا ' اور ' تاریخ گزیدہ ' میں ملاحدہ پر جو ابواب ہیں وہ قابل ملاحظہ ہیں - تاریخ جہاں کشا علاءالدین عطا ملک جوینی کا تیسرا حصہ الموت کے کتب خانے کی مدد سے لکھا گیا تھا - یہ کتاب ابھی تک شائع نہیں ہوئی ہے -

مدنی اصول پر اس سے زیادہ پابندی کے ساتھ قائم نہیں رہے - مذہبی اتفاق ہمیشہ تمام قبائلی اور نسلی اختلافات پر حاوی رہا - بایں ہمہ نسلی افتخار کی دیدہ و دانستہ کوششیں، گو ناکام طور پر ہی کیوں نہ ہوئی ہوں، مگر ہوئی ضرور ہیں - اسلامی سر زمینوں میں بھی دیگر مقامات کی طرح نسلی تکبر فطرت انسانی کا ناگوار جز بنا رہا ہے - خلفائے بنی امیہ نے حکومت کو عربی امرا کی میراث بنانے میں جان توڑ کوشش کی - ایرانی انقلاب نے ان کو برطرف کرکے عباسیوں کو مسند خلافت پر لا بٹھایا - اس سے عربی دور کا خاتمہ ہو گیا اور وہ فوقیت جو پہلے عربوں کو حاصل تھی ایرانیوں پر منتقل ہو گئی - لیکن فوراً ہی ایک حریف نسل، خلافت کے مال غنیمت پر ایرانیوں سے جد و جہد کرنے کے لیے نمودار ہو گئی - مغرب میں اناطولیہ کی دلدلوں سے لگا کر مشرق میں بحرالکاہل کے ساحل تک مغل نسل کے مختلف قبیلے، ترک، تاتاری، ترکمان، تبتی، چینی اور مغل پھیلے ہوئے تھے - ان کا رسم خط ایک دوسرے سے ملتا جلتا تھا، سب اوپر سے نیچے کی طرف لکھتے تھے - ان کے قد پست، رخساروں کی ہڈیاں اُبھری ہوئی، اور آنکھیں چھوٹی تھیں، لیکن جسم گٹھیلے اور جنگ کی صعوبتیں جھیلنے کے عادی تھے - جوں جوں اسلامی سرحد ایران کے شمال اور مشرق کی طرف بڑھتی گئی یہ ترک قبیلے ایک ایک کر کے دائرۂ اسلام میں آنے شروع ہوگئے - ترک مردوں کی قابل داد شجاعت اور عورتوں کے غیر معمولی حسن نے فاتحوں کو حیرت میں ڈال دیا - بادشاہوں کی حفاظت کے لیے ترکی باڈی گارڈ متعین

کئے جانے لگے - ترکی کنیزیں شاہی حرم سراؤں میں سازشیں کرتی تھیں - رفتہ رفتہ کامل طور پر ترکی جاں بازوں نے ایرانیوں کو تمام فوجی خدمات سے ہٹا دیا - دسویں صدی کے وسط تک یہ انقلاب پورا ہوچکا تھا - ترکوں کو مسلمانوں میں عام طور پر وہی اقتدار حاصل ہوگیا جو چھتریوں کو ہندوؤں میں تھا - عام شہری اِس بات کو کہ صرف ترک ہی اسلامی سر زمین پر حکومت کرنے یا میدان جنگ میں افواج کی کمان لینے کا مستحق ہے ' سیاسی اخلاقیت کا اٹل حکم سمجھتا تھا - اسلامی ایشیا پر جن مختلف خاندانوں نے حکومت کی ہے ان میں بڑی کثرت ان کی ہے جو ترکی نسل [۳] سے تھے - بایں ہمہ انتظامی خدمات اب بھی ایرانیوں کے پاس تھیں اور ادب و فنون پر بلا شرکت غیرے انھی کا قبضہ تھا - ترکوں کا اس طرف کوئی میلان نہ تھا - کسی ایرانی کو " سدر " نہیں خیال کیا جاتا تھا اور نہ اس کے ساتھ زیر دستوں کا سا سلوک روا رکھا جاتا تھا - سلطنت میں اس کی خدمت جداگانہ تھی لیکن تمدنی حیثیت سے وہ ایک ترک کا ہم پلہ تھا - باوجود اس کے ترکی

---

[۳] — تاریخی غلطیوں میں سب سے فاش غلطی یہ ہے کہ فی زمانہ ہندوستان کے عہد وسطیٰ کے بادشاہ پٹھان خیال کئے جاتے ہیں - اس کی ابتدا جنرل برگز (Briggs) نے کی ہے جو لغو ترین مترجم اور حد درجے کا بڑھ بولا مورخ ہے - خلجیوں کو چھوڑکر جن کی بابت کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ کون تھے ' دہلی کے تمام خاندان (سیدوں اور لودھیوں اور سوریوں کے علاوہ) ترکی نسل سے تھے - سلاطین غزنین و غور ' شاہان غلامان و تغلق ' اور شہنشاہان مغلیہ سب کے سب ترکی مغل نسل سے تعلق رکھتے تھے - عہد احمد شاہ ابدالی سے پہلے خود افغانستان میں کسی افغان بادشاہ کا وجود بالکل خلاف قیاس ہے -

فوجی تسلط کا ایک تاریک رخ بھی تھا۔ صلح پسند سے صلح پسند ترک فرماں روا کی حکومت بھی وقت ضرورت کے لیے پنجۂ فولادی کمین میں رکھتی تھی، ایرانی ادراک نے سیاسی میدان میں جب اپنے تئیں کمتر پایا تو ترکوں کے خلاف مذہبی شورش برپا کرنے کو اپنا آلۂ کار بنا لیا۔

باب دوم

سلطان محمود کا عہد حکومت

سنہ ۹۶۱ع میں عبدالملک سامانی کے انتقال پر اس کے بھائی اور چچا تخت کے دعویدار ہوئے - پایۂ تخت کے اُمرا نے خراسان کے حاکم الپتگین سے مشورہ کیا - اس نے چچا کی موافقت میں رائے دی - لیکن یہ اطلاع ابھی بخارا پہنچی بھی نہ تھی کہ وہاں کے اُمرا نے بالاتفاق متوفی کے بھائی منصور کو مسند تخت پر لا بٹھایا - الپتگین نے انجام کار سوچ کر خراسان کی حکومت تو وہاں کے وارث حقیقی سامانی بادشاہ کے سپرد کی اور خود مع اپنے ہمراہیوں کے غزنین میں جا دھمکا - یہاں کے حاکم ابوبکر لاویق نے شکست کھائی اور فرار ہوتے ہی بن پڑا - منصور نے الپتگین کو غزنین سے نکالنے کی ہزار کوشش کی مگر ایک پیش نہ گئی ' اور الپتگین آٹھ برس تک باطمینان حکومت کر کے سنہ ۹۶۹ع میں راہی ملک بقا ہوا - اس عرصے میں اس کا سپہ سالار سبکتگین ہندوستان کی سرحد پر چھیڑ چھاڑ کر رہا تھا - الپتگین کے بعد اس کا بیٹا ابو اسحاق جانشین ہوا مگر اس کو پورا سال بھی دیکھنا نصیب نہ ہوا تھا کہ چل بسا - ابو اسحاق کی وفات پر اس کے تین سپہ سالار یکے بعد دیگرے

تخت پر بیٹھے - بلکتگین [۴]، (سنہ ۹۶۹ - ۹۷۷ع) بڑا دیندار اور بہادر تھا - پیرے، سنہ ۹۷۷ع میں تخت نشین ہوا - یہ نہایت نالائق تھا - سال بھر کے اندر ہی رعایا نے تنگ آکر اس کو معزول کردیا اور حکومت سبکتگین کو سونپ دی -

---

[۴]—بعض مورخین نے بلکتگین اور پیرے کو نظر انداز کردیا ہے؛ بعض ان کے وجود ہی کے ایک سرے سے قائل نہیں ہیں، حالانکہ اِس کے ثبوت میں ان کے سکہ جات اور نہایت معتبر حالات موجود ہیں - سنین میں بھی سخت بےترتیبی ہے - کرنل ریورٹی نے منہاج السراج پر ایک فضول سا اعتراض کر کے بقید سنہ ہجری ذیل کی تاریخیں قائم کی ہیں - الپتگین (سنہ ۳۲۲—۳۵۲)، ابو اسحاق (سنہ ۳۵۲ - ۳۵۳)، بلکتگین (سنہ ۳۵۳ - ۳۶۲) پیرے (سنہ ۳۶۲ - ۳۶۷)، سبکتگین کے سنہ جلوس کو تمام محققین سنہ ۳۶۷ھ قرار دیتے ہیں - لائق کرنل اگر ذرا غور کرتے تو معلوم ہوجاتا کہ اُن کی مقرر کردہ تاریخیں بالکل بےبنیاد ہیں - عبدالملک سنہ ۳۵۰ھ میں فوت ہوا - الپتگین اس کا گورنر اور خراساں کا حاکم تھا - عبدالملک کی وفات پر اس نے غزنین کو فتح کیا - وہ سنہ ۳۲۲ - ۳۵۲ھ تک کیونکر غزنین پر حکومت کرسکتا تھا - فتح غزنین کا سال سنہ ۳۵۱ھ ہے اور منہاج السراج، حمداللہ مستوفی اور فرشتہ کا اس پر اتفاق ہے - مگر اصل سوال رہ جاتا ہے کہ سنہ ۳۵۱ - ۳۶۷ھ کو چار ازمنہ حکومت میں کس طور پر تقسیم کیا جائے - حمداللہ مستوفی اور فرشتہ کے مطابق الپتگین نے سولہ برس اور ابو اسحاق نے ایک سال حکومت کی - یہ دونوں مورخ بلکتگین کو نظر انداز کرتے ہیں، در آں حالیکہ اس کا وجود ثابت ہے - مترجم کرنل (صاحب) کے اعتراض کے باوجود منہاج السراج کی مقرر کردہ تاریخیں سب میں قرین صحت معلوم ہوتی ہیں - یعنی الپتگین، آٹھ سال؛ اسحاق، ایک سال؛ بلکتگین - دس سال؛ اور پیرے، ایک سال - ان کے عیسوی سال میں نے اوپر لکھے ہیں - منہاج السراج اور حمداللہ مستوفی کی دی ہوئی تاریخوں کی مطابقت میں سامانی بادشاہوں کے سنین حسب ذیل ہیں: عبدالملک بن نوح، سنہ ۳۴۳ - ۳۵۰ھ؛ منصور بن نوح، سنہ ۳۵۰ - ۳۶۵ھ؛ نوح بن منصور، سنہ ۳۶۵ - ۳۸۷ھ -

سبکتگین

سلطنت میں سبکتگین کی ٹکر کا کوئی شخص نہ تھا - یہی وجہ تھی کہ بیٹے کو معزول کرکے تخت شاہی اس کے حوالے کیا گیا - سبکتگین نے عنان حکومت ہاتھ میں لیتے ہی مظالم و تشدد کو یک لخت موقوف کردیا اور سلطنت میں رحم و انصاف کی بساط بچھائی ' - سبکتگین عہدہ‌داروں کو اپنی مٹھی میں رکھتا تھا - اس نے اپنی سلطنت کو جو صرف ایک شہر کی چاردیواری تک محدود تھی فتوحات کے ذریعے بڑھانا شروع کیا ' اور تخت پر قابض ہوتے ہی بست اور قصدار فتح کرکے ہندوستان کی سرحد کی طرف بھی چند قلعے تسخیر کئے اور مساجد تعمیر کرائیں (سنہ ۹۷۸ع) بظاہر تو یہ واقعہ معمولی سا تھا لیکن اس کے نتائج نہایت اہم مترتب ہوئے -

جےپال سے پہلی لڑائی

آٹھویں صدی عیسوی تک سیاسی اور تمدنی لحاظ سے افغانستان ہندوستان میں شمار ہوتا تھا اور وہاں کی ترک آبادی بدھ مت قبول کر چکی تھی [۵] - لیکن اسلامی

[۵]—سیتھی ترکوں کے ترکی شاہی خاندان کا بانی برہاتگین تھا - اس خاندان کی فتوحات کا سلسلہ سنہ عیسوی سے کچھ ہی قبل شروع ہوا اور کنشک کے عہد حکومت میں ' جو ان کا سب میں مشہور بادشاہ خیال کیا جاتا ہے ' شمالی ہند کا بڑا حصہ ' افغانستان ' ترکستان اور ماوراءالنہر ان کی سلطنت میں شامل ہوگئے تھے - ترک بہت جلد ہندی تمدن کے شکار ہوگئے - مگر بجائے اس کے کہ بدھ مت ان غیرمہذب لوگوں کو اپنے معیار شائستگی پر لاتا خود ان کی بت‌پرستی میں معاون ہوگیا ' اور عقلیت اور رسمی عبادات کا مجموعہ ' یعنی مہایانا بدھ مت ' جس میں گوتم بدھ کا زبردست

سلطنت کی حدود بڑھتے بڑھتے دریائے کابل کے جنوب میں صوبۂ لمغان تک جا پہونچی تھیں اور اب ان کے اور ہندوؤں کے درمیان کوئی اور چیز حائل نہ تھی - رائے جے پال والی لاہور اپنی آبائی سلطنت کی بتدریج تخفیف سے سخت نالاں تھا اور سبکتگین کے بار بار کے حملوں سے عاجز آگیا تھا 'تنگ آمد بہ جنگ آمد' آخرکار وہ ایک لشکر جرار لےکر کہ "جس کا رنگ رات کی طرح سیاہ اور جس کی چال طوفانی لہروں کی طرح شور انگیز تھی" لمغان کی وادی میں اترآیا - ادھر سبکتگین اور اس کا بیٹا محمود دونوں غزنیں سے نکل آئے - کئی دن تک میدان کارزار گرم رہا - غالب و مغلوب کی پہچان نہ ہوتی تھی کہ یکایک برف و باران کے طوفان نے

(بقیہ صفحہ ...) بت پرستی کی ہر شکل کو جذب کر لیتا تھا ' کشان سلطنت کے لوگوں کا مذہب قرار پا گیا - پیشاور جو کنشک کا دارالسلطنت تھا اس نئے مذہب کا مرکز بن گیا - صدیوں بعد جب مسلمان وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ افغانستان کے وحشی قبائل شیر کے مجسمے (سکیا سنہا) کو بدھ سمجھ کر پوجتے تھے - کشان سلطنت کے زوال سے لے کر آٹھویں صدی عیسوی میں افغانستان پر مسلمانوں کی حملہ آوری تک کے حالات تاریکی میں ہیں - البیرونی کا قول ہے کہ برہاتگین کے ترکی شاہی خاندان میں ساٹھ سے کم بادشاہ نہیں ہوئے - اس خاندان کا اخیر تاجدار لگاترمان تھا جس کو معزول کر کے اس کے برہمن وزیر کلور نے ہندو شاہی خاندان کی بنا ڈالی - سبکتگین کی ہندوستان پر حملہ آوری کے وقت پنجاب میں وہی حکمراں تھے - بادشاہوں کا شجرہ ریشمین کپڑے پر لکھا ہوا نگرکوت کے قلعے میں موجود تھا ' لیکن البیرونی کا بیان ہے کہ وہ اس کو نہیں دیکھ سکا - ہندو شاہی خاندان کا شجرہ جو البیرونی نے تحریر کیا ہے حسب ذیل ہے :- کلور - سمند - کملو - بھیم - جےپال - انندپال - ترجن پال (ترلوکن پال) - بھیم پال -

(البیرونی جلد دوم - صفحہ ۱۳)

جے پال کے منصوبوں کو ٹھنڈا کردیا [٦] - " یک بیک آسمان پر گھرا ابر چھا گیا ، بادل کی گرج اور بجلی کی چمک شروع ہوگئی ، اور دن کی روشنی شب کی سیاہی سے بدل گئی - سردی کی وہ شدت ہوئی کہ گھوڑے اور باربرداری کے جانور کثرت سے اکڑ کر رہ گئے اور ہندوؤں کا خون رگوں میں منجمد ہوگیا " جے پال کے لیے بےعزتی سے ہتھیار ڈال دینے کے سوا اور کوئی چارہ نہ رہا اور چونکہ مسلمان باوجود شدت موسم کے لڑائی پر تلے ہوئے تھے اس لیے اس نے مجبور ہوکر دس لاکھ درہم اور پچاس ہاتھی دینے کا وعدہ کرکے اپنی جان چھڑائی -

جے پال سے دوسری لڑائی - لمغان اور پیشاور کی تسخیر

لیکن لاہور پہنچ کر حکومت کے زعم میں جے پال اپنے وعدے وعید سب بھول گیا اور سبکتگین کے پیام بر بجائے موعودہ رقم پانے کے پا بہ زنجیر کرکے جیل خانوں میں ڈال دیے گئے - جے پال کا قول تھا کہ " جب تک محمود میرے آدمیوں کو جو بطور ضمانت اس نے گرفتار کر رکھے ہیں ، رہا نہ کرے گا میں بھی اِن لوگوں کو نہ چھوڑوں گا " یہ طرز عمل دوسری جنگ کا پیش خیمہ ہوا - سبکتگین نے طیش میں آکر لمغان کو تاراج کرڈالا - جے پال نے جب یہ سنا تو دیگر راجگان ہند سے مدد چاہی انھوں نے منظور کیا اور دہلی ، اجمیر ، قنوج اور کالنجر

[٦] - کہا جاتا ہے کہ محمود کے حکم کے بموجب شفاف پانی کے ایک پر اسرار چشمے میں کوڑا کرکٹ ڈال دینے کی وجہ سے برفباری شروع ہوئی تھی - اس قسم کے توہمات مغلوں اور ترکوں میں کثرت سے پھیلے ہوئے تھے - ظاہر ہے کہ ہندی افواج کو بہ مقابلہ دشمنوں کے زیادہ دقت کا سامنا کرنا پڑا ہوگا ، کیونکہ ترک تو اس موسم کے عادی تھے -

کے راجاؤں نے روپے اور فوج سے مدد پہنچائی - جےپال ایک لاکھ سوار اور بےشمار پیادوں سے آراستہ ہوکر دوبارہ لمغان کی وادی میں آموجود ہوا - اس جنگ نے یہ ثابت کردکھایا کہ جب فوج پر قابو نہ ہو تو اس کا عدم وجود برابر ہے - سبکتگین نے پانچ پانچ سو چیدہ سواروں کے دستوں سے دھاوے مارمار کر ہندی سپاہ کے پائے استقلال کو متزلزل کردیا - اس گھمسان کا رن پڑا کہ "تلوار اور برچھی میں، انسان اور ہاتھی میں، اور بہادر و بزدل میں تمیز نہ ہوسکتی تھی" - ہندوستانی افواج میں بھاگڑ پڑگئی اور دریائے سندھ تک کسی نے دم نہ لیا - لمغان اور پشاور فاتح کے ہاتھ آئے - سبکتگین نے مفتوحہ علاقے پر عمّال مالگذاری مقرر کرکے پشاور کی قلعہ بندی کردی اور دو ہزار فوج وہاں تعینات کردی گئی -

تسخیر خراسان

ان واقعات کے بارہ تیرہ برس بعد سامانی سلطنت میں ضعف آیا اور محمود کے ہاتھ ایک بڑا علاقہ لگا - فائق جو بغاوت کرنے میں اُستاد تھا، اور خراسان کا حاکم ابو علی سمجوری دونوں سامانی بادشاہ سے باغی ہوگئے گو کہ امیر نوح کا سب ادب کرتے تھے مگر وہ صرف نام کا بادشاہ تھا - اس نے سبکتگین سے مدد چاہی - وہ تو منتظر ہی تھا - فوراً اپنے آقا کی حمایت کو جا پہنچا - سبکتگین کی اس سرعت پر امیر نوح کو ضرور مشتبہ ہونا چاہیے تھا، مگر وہ عقل کا پورا تھا - سبکتگین اور محمود نے ہرات کے سامنے باغیوں کو پیس ڈالا - اس کامیابی کے صلے میں محمود خراسان کا حاکم بنادیا گیا اور وہ نیشاپور میں مقیم ہوگیا - اس طور پر ایران کا بہترین صوبہ سلطنت غزنین کا

ایک جز بن گیا - دیکھنے میں فتح کا جھنڈا امیر نوح کے نام کا بلند ہوا مگر اصل میں فائدہ غزنویوں کو پہنچا - محمود کا یہ اصول نہ تھا کہ اپنی آہنی گرفت میں آئی ہوئی چیز کو ہاتھ سے گنوا بیٹھتا -

امیر اسماعیل

بیس سال کی حکومت کے بعد سنہ ۹۹۷ء میں بلخ کے مقام پر سبکتگین نے وفات پائی اور وصیت کے بموجب اس کا بیٹا اسماعیل جانشین ہوا - محمود کو یہ کب گوارا تھا کہ چھوٹے بھائی کی خاطر اپنا حق چھوڑ دے اور اسماعیل باہمی فیصلے کے لیے تیار نہ تھا - نتیجہ کار جنگ ہوا - محمود نیشاپور سے غزنین کی طرف بڑھا - اسماعیل بلخ سے مدافعت کے لیے آیا - پایۂ تخت کے قریب دونوں بھائیوں میں مڈھ بھیڑ ہوئی - محمودی حملے نے اسماعیل کے قلب لشکر میں کھلبلی ڈال دی - اور "تلوار کہ آہنی دل ہے وہ بھی نبرد آزماؤں کی قسمت پر خون کے آنسو بہانے لگی" - اسماعیل گرفتار ہوا اور جرجان کے قلعے میں قید کردیا گیا جہاں ہر طرح اس کے آرام و آسائش کا خیال رکھا گیا -

امیر محمود کی شخصیت اور اوصاف

امیر محمود کہنے کو تو تیس سال کا تھا مگر تقدیر بڑی ساتھ لایا تھا - کون جانتا تھا کہ تخت پر بیٹھتے ہی وہ اپنی شاندار فتوحات سے معاصرین کو حیران و ششدر کر دے گا' اور کس کو خبر تھی کہ پنجاب سے لے کر بحیرۂ خزر تک اور سمرقند سے لے کر رے تک اپنے نام کا ڈنکا بجا دے گا - خلافت عباسیہ کے زوال کے بعد سے کم مایہ اور بے حقیقت لوگ بھی ایک زبردست حکومت کے خواب دیکھنے لگے تھے - لیکن زمانہ

جس ہستی کا انتظار کر رہا تھا وہ محمود تھا، کہ جس کے نام سے ایران و ترکستان کے بادشاہ تھرا اُٹھے اور سبکتگین نے جو خواب دیکھا تھا کہ اس کے آتشدان سے ایک درخت نکل کر تمام عالم پر چھا گیا ہے۔ اس کی تعبیر پوری ہوئی۔ ایک ایسے شخص کی ذہانت نے جس نے چالیس برس کی پیہم لڑائیوں میں ایک دفعہ بھی شکست نہ کھائی ہو معاصرین کی آنکھوں کو چندھیا دیا اور لوگ اس کی فتوحات کی ناپائداری کا اندازہ نہ لگاسکے۔ آئندہ نسلوں کے لیے محمود ایک فسانہ بن کر رہ گیا۔ بعد کے متعصبین نے اپنے خیالات اور دلی جذبات کا رنگ دےکر اس کی تصویر دنیا کے سامنے پیش کی ہے اور اس کو ”راہ خدا“ کا ”مقدس مجاہد“ قرار دیا ہے، بلکہ یہ بھی ہدایت کی ہے کہ سب دیندار مسلمان بادشاہوں کو اسی کے نقش قدم پر چلنا چاہیے۔ برخلاف اس کے معلمان اخلاق، محمود کو پاکبازی کا نمونہ نہیں سمجھتے، بلکہ خود غرض، لالچی، اور مال و دولت کا حریص خیال کرتے ہیں، جس نے دنیوی مقبوضات کو محنت شاقہ کے بعد حاصل کیا، غیر مطمئن حالت میں ان پر قابض رہا، اور بالاخر کھو بیٹھا۔ اصل یہ ہے کہ تیز فہم اور بادہ نوش غزنوی کا دونوں گروہوں نے غلط اندازہ کیا ہے۔ مذہبی مبلّغ ہونا تو درکنار محمود جوشیلا مسلمان بھی نہ تھا۔ چالاکی اور ہوشیاری اس کی سرشت میں تھی اور ہر پہلو سے وہ اپنے ہی فائدے کو پیش نظر رکھتا تھا۔ سلطنت کی حدود بڑھانے کی خاطر محمود ہندو و مسلمان دونوں سے یکساں آمادۂ پیکار رہا۔ محمود میں اگر سچا جوش عقیدت نہ تھا تو اُس کا بخل بھی مرض کی صورت

اختیار نہ کرسکا - وہ اپنے خزانوں کو دیکھ دیکھ کر کنجوسوں کی طرح خوش ہونے والوں میں نہ تھا مگر حکومت کے استحکام کے لیے دولت کو بحفاظت رکھنا بھی ضروری تھا -

قدرت نے محمود کو ظاہری حسن و جمال سے محروم رکھا تھا - اس کا قد میانہ اور اعضا متناسب تھے' چیچک کے داغوں نے چہرے کی رونق متادی تھی - مشہور ہے کہ ایک دفعہ سلطان آئینہ دیکھ کر بہت ملول ہوا اور اپنے وزیر سے کہنے لگا " بادشاہوں کی صورت رعایا کی بصارت کو قوت بخشتی ہے لیکن عجب نہیں کہ میری شکل' دیکھنے والے کی آنکھ کو تکلیف پہنچائے " - حاضر جواب وزیر نے عرض کیا " ہزار میں ایک بھی حضور کی صورت نہیں دیکھتا مگر سیرت کا سب پر اثر پڑتا ہے - نیکی کی طرف متوجہ رہیے' ہر شخص آپ سے محبت کرے گا " - محمود نہ پہلوان ہی تھا نہ ذاتی شجاعت کے کام اس کے بس کے تھے - البتہ کاٹھی اچھی تھی - مسلسل مسافتوں کی تکالیف اس کا جسم بآسانی سہار لیتا تھا - دھاووں میں محمود ضرورت سے زیادہ سختی نہیں اٹھاتا تھا - یہی وجہ تھی کہ اس کے سفری خیمے کی شان و شوکت لوگوں کو حیرت میں ڈالتی تھی - بہ حیثیت سپہ سالار کے محمود یہ بخوبی جانتا تھا کہ بلا وجہ اپنی جان کو خطرے میں ڈال دینا بہادری کی دلیل نہیں ہے - لیکن اگر کبھی موقع آن پڑا ہے تو محمود ہاتھی پر سوار ہوکر دشمن کے ٹڈی دل میں گھس گیا ہے اور داد شجاعت ہی دے کر لوٹا ہے - محمود کو جو چیز سب پر غالب کر دیتی تھی وہ اس کی دماغی قابلیت تھی - سخت سے

سخت الجھی ہوئی گتھیوں کو محمود بات کی بات میں ناخن تدبیر سے سلجھا دیتا اور ایک نظر میں گرد و پیش کے آدمیوں کی تہ کو جا پہنچتا - محمود کبھی نچلا نہ بیٹھتا تھا اور حکومت کا مادہ اس میں خداداد تھا - یہ وہ اوصاف ہیں جو ایک عظیم الشان ہستی میں ہوا کرتے ہیں اور جن میں ترقی کا راز پنہاں ہے - بادشاہ کو کم گو ہونا بھی لازمی ہے مگر محمود کے دل کا حال کسی گہرے سے گہرے دوست پر بھی ظاہر نہ ہوتا تھا - مصاحبوں کو امور سلطنت میں دخل دینے کی اجازت نہ تھی کیونکہ یہ باتیں ان کی سمجھ سے بالاتر تھیں - اس کے عہدہ دار خواہ کتنے ہی خلوص سے کیوں نہ خدمات انجام دیتے ہوں لیکن محمود ان پر کبھی اعتماد نہ کرتا - اپنے مشہور وزیر خواجہ احمد بن حسن میمندی تک سے کہ جس کے ساتھ ہر وقت کا اٹھنا بیٹھنا تھا، محمود دور ہی کی صاحب سلامت رکھتا تھا اور چھوٹے موٹے عہدہ دار تو محض شطرنج کے مہرے تھے جن کو محمود جہاں چاہتا تھا رکھ دیتا اور جب چاہتا اٹھا لیتا -

تدبیر سلطنت سے قطع نظر کر کے سلطان محمود کے ذاتی عقائد خود ایک دلچسپ معما ہیں - اس کے ہم عصر لوگوں نے یہ افواہیں اڑائی ہیں کہ محمود قیامت کا قائل نہیں تھا اور اس حدیث کو بھی کہ علما پیغمبروں کے قائم مقام ہیں، تسلیم نہیں کرتا تھا [۷] - کہا جاتا ہے خواب میں

---

[۷]—محمود کے دل میں یہ شبہہ بیٹھا ہوا تھا کہ سبکتگین اس کا اصلی باپ نہ تھا - ایک روز رات کے وقت جب سلطان محل میں واپس آیا تو اس کی نظر طلائی چراغ پر پڑی - اس نے حکم دیا کہ وہ چراغ اس

حضرت رسول مقبول صلعم کی زیارت کے بعد اس کے شکوک رفع ہو گئے اور اکثر مسلمان بادشاہوں کی طرح محمود بھی اولیائے کرام کی خدمت میں برابر حاضر ہونے لگا، حالانکہ ارادت اس کو صرف شیخ ابوالحسن خرقانی رح سے تھی۔ محمود یہ دنیا دار تھا وہ یہ ہرگز گوارا نہیں کر سکتا تھا کہ مولویوں کو ملکی معاملات میں شریک مشورہ کر کے سر پر چڑھا لے اور اپنی عزت و احترام میں فرق ڈلوائے۔ محمود نے 'ملاحدہ' پر جو طرح طرح کے ظلم ڈھائے اس کی وجہ 'اہل سنت' کے دباؤ کے علاوہ شائد یہ بھی ہو کہ اس کو یقین تھا کہ ملاحدہ کے مخرب اخلاق عقائد اسلامی معاشرت کی بنیادوں کو ہلا دیں گے۔ محمود کے ہندوستانی حملوں کی غایت، نشر و اشاعت اسلام نہ تھی، بلکہ دولت و حشمت کی ہوس تھی۔ اس میں شک نہیں کہ محمود خدائے واحد و حاضر کا دل سے معتقد تھا اور یہی اس کے اطمینان قلب کا باعث تھا۔ لیکن مذہب سے اس کا تعلق صرف اسی حد تک تھا۔ محمود کو احمد حسین بن میکال (حسنک) کا ہم خیال کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا اس لیے کہ اس کی طرح محمود بھی مذہب کی پیچیدگیوں کو فضول سمجھتا تھا اور حسنک کو خلیفہ کے عتاب کی زد سے جو اس نے بچا لیا اس کا سبب بھی ممکن

طالب علم کو دے دیا جائے جو باہر دکان کی روشنی میں مطالعہ کر رہا تھا۔ اسی شب کو خواب میں حضرت رسول مقبول صلعم کی زیارت ہوئی۔ آپ نے فرمایا، "سبکتگین کے بیٹے! خدا تجھ کو دونوں جہان میں باآبرو رکھے، کیونکہ تونے ایک میرے جانشین کا احترام کیا ہے"۔ اس طور پر سلطان کے تینوں شکوک رفع ہو گئے۔

ہے بھی ہو - خانگی زندگی میں بھی محمود صفات حسنہ کا نمونہ نظر نہیں آتا - مسلمان مصنفین نے خواہ مخواہ اس کی شخصیت کو اتنا بڑھا چڑھا دیا ہے - (اخلاق و عادات کے اعتبار سے محمود میں اور اگلے پچھلے بادشاہوں میں کوئی فرق نہیں ہے- اگر اس کو کسی پر فوقیت نہیں دی جا سکتی تو کسی سے کمتر بھی نہیں کہا جا سکتا - ان کی طرح محمود بھی صنف نازک، جنگ اور بادہ نوشی کا شائق اور شاعری اور موسیقی کا دلدادہ تھا - ترکی غلاموں پر امرائے دربار سے کشیدگیاں بھی ہو جاتی تھیں اور افواہ یہ بھی ہے کہ محمود کی ناجائز اولاد تھی [۸] - لیکن مورخ کا سلطان کی خانگی زندگی سے اتنا تعلق نہیں ہے - جس قدر کہ اس کے کارنامے کی نوعیت اور اہمیت سے ہے -

سامانی سلطنت کا خاتمہ

سبکتگین اور امیر نوح والیِ بخارا نے ایک ہی سال میں دنیا سے کوچ کیا - منصور بن نوح نے بکتوزن کو خراسان کا حاکم مقرر کر دیا - اس نے دیکھا کہ محمود اور اسماعیل آپس میں گتھے ہوئے ہیں، جھٹ نیشاپور پر قبضہ کر لیا، اور محمود کے احتجاج کی مطلق پروا نہ کی - محمود نے فارغ ہوکر نیشاپور کا رخ کیا - منصور بھی مدافعت کے لیے بڑھا - محمود کے آگے منصور کی کیا مجال تھی جو ٹھہر سکتا

---

[۸]—کہا جاتا ہے کہ مسعود کا سپہ سالار احمد نیالتگین جو لاہور میں متعین تھا محمود کا ناجائز لڑکا تھا - "لوگوں میں اس کی پیدائش اور اس کی ماں اور محمود کے تعلقات کے بارے میں روایتیں مشہور تھیں - واللہ اعلم بالصواب" (بیہقی - ایلیٹ جلد دوم صفحہ ۱۲۲)-

محض اس خیال سے کہ اس پر اپنے آقا کے خلاف جنگ آزما ہونے کا دھبا لگے گا محمود نے معاملات کو طول دینے سے پرہیز کیا - لیکن تقدیر کی گردش کچھ اور ہی کہتی تھی- بکتوزن نے مفسد کنندۂ ناتراش سے سازش کرلی، منصور کو گرفتار کرکے اندھا کر دیا اور اس کے کمسن بھائی عبدالملک کو سامانی تخت پر بٹھا دیا - محمود کو موقع ہاتھ آیا - اس نے خراسان کو دشمنوں سے پاک کر ڈالا - عبدالملک فرار ہو کر بخارا چلا گیا - مگر وہاں بھی اسے چین نہ ملا ایلک خاں کاشغری جو دریاے جیحون کے اس پار واقعات کی رفتار کو غور سے دیکھ رہا تھا، عقاب کی طرح بخارا پر جھپٹا اور سامانی خاندان کا خاتمہ کر گیا (سنہ ۹۹۹ع) - محمود اور ایلک خاں نے ایک دوسرے کو کامیابی پر مبارک باد دی اور آمو دریا کو حد فاصل قرار دےکر سامانی سلطنت آپس میں تقسیم کرلی - اس سیاسی اتحاد کو رشتہ داریاں قائم کر کے مضبوط بنایا گیا - دونوں سلطنتوں کے باہمی اتحاد و ارتباط کا نتیجہ یہ ہوا کہ تاتاریوں کی بڑی تعداد نے اسلام قبول کرلیا -

مسلمان بادشاہوں میں محمود پہلا شخص ہے جس نے سلطان کا لقب اختیار کیا - سنہ ۹۹۹ع کے آخر میں خلیفہ نے اس کو خلعت عطا کر کے امین الملت یمین الدولہ کے خطابات عطا کئے - محمود اب سامانی بادشاہوں کے بجائے براہ راست خلیفہ کا ماتحت ہوگیا - اس نے ہندوؤں کے خلاف ہر سال جہاد کرنے کا حلف اُٹھایا - اگرچہ آئندہ تیس سال کے عرصے میں وہ صرف سترہ بار ہندوستان پر حملہ آور ہوا لیکن واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ قسم کھاتے وقت محمود کی جو نیت تھی

اس کا اس نے ضرور پاس کیا -

ہندوستان پر حملے

(۱) سرحدی شہر سنہ ۱۰۰۰ء

۱۰۰۰ء میں محمود سرحد کو پار کر کے ہندوستان میں داخل ہوا لیکن چند قلعوں کی تسخیر پر اکتفا کی اور واپس چلا آیا -

(۲) پیشاور اور ویہند ۱۰۰۱ - ۱۰۰۲ء

دوسرے سال دس ہزار سواروں کے ہمراہ محمود پھر روانہ ہوا اور پیشاور کے آگے خیمہ زن ہوگیا - جے پال بارہ ہزار سوار، تیس ہزار پیادے اور تین سو ہاتھی لے کر مقابلہ کو آیا - ۲۸ نومبر [۹] سنہ ۱۰۰۱ء کو دونوں افواج کی مڈھ بھیڑ ہوئی - بہادروں نے ہر دو جانب سے قومی شجاعت کے جوہر دکھائے - پانچ ہزار ہندو میدان جنگ میں کام آئے اور جے پال مع پندرہ شہزادوں کے گرفتار ہوگیا - محمود نے بڑھ کر ویہند [۱۰] پر قبضہ کرلیا - یہاں ہندوؤں نے جمع ہوکر ایک دفعہ پھر مقابلہ کیا مگر منہ کی کھائی - جے پال اور دوسرے قیدی خراج دے کر رہا ہوگئے - ہزیمت خوردہ رائے نے اُس زمانے کے رسم و رواج کے مطابق سلطنت انند پال کے سپرد کر دی، اور خود چتا میں بیٹھ کر جل مرا -

---

[۹] —ہندوستان میں موسم سرما جنگ کا زمانہ ہوتا ہے - محمود عموماً برسات کے بعد غزنین سے روانہ ہوا کرتا تھا اور جاڑے کا موسم ہندوستان میں بسر کر کے شروع گرمی میں غزنین واپس پہنچ جاتا تھا - اِسی سبب سے اِس کے ہر حملے میں دو عیسوی سال پڑتے ہیں -

[۱۰] —"یہ مقام بہت مشہور ہے اور دریاے سندھ کے داھنے کنارے، اٹک سے پندرہ میل شمال کی جانب لاھور اور پیشاور کی قدیم سڑک پر واقع ہے - پیشاور سے یہاں تک تین کوچ کا فاصلہ ہے" - (ایلیٹ جلد دوم صفحہ ۴۳۸) -

(۳) بجی رائے والیِ بھیرہ سنہ ۱۰۰۳ — ۱۰۰۴ء

دو سال تک محمود اپنی سلطنت کے مغربی جھگڑوں اور سیستان کی فتح میں مصروف رہا- سنہ ۱۰۰۳ع میں موسم سرما کے آغاز پر اس نے پہلی بار دریاے سندھ کو عبور کیا اور جہلم کے کنارے بھیرہ کے مقام پر ڈیرے ڈال دیے- بجی رائے والی بھیرہ کو اپنے مست ہاتھیوں پر بڑا ناز تھا - اس نے سبکتگین اور جےپال کو کبھی خراج نہ دیا تھا - وہ لڑائی کی نیت سے اپنے قلعے کے باہر نکل آیا - تین دن تک میدان جنگ گرم رہا - ہر گھڑی امید و بیم کی حالت میں گذرتی تھی - مسلمان افواج کی حالت نازک ہوتی جارہی تھی - چوتھے دن صبح سے دوپہر تک لڑائی کے بعد بھی جب کوئی نتیجہ نہ نکلا تو عصر کے وقت محمود نے فوج میں شامل ہوکر ایک‌بارگی حملہ کیا اور غنیم کے قلب کو روند ڈالا - بجی رائے کو شکست ہوئی اور وہ قلعے میں جا چھپا - محمود نے قلعے کا محاصرہ کرلیا - بجی رائے خوف زدہ ہوکر رات کے وقت قلعے سے نکل بھاگا - مگر محمود کے سپاہیوں نے گھیر لیا - اس نے ذلت کی گرفتاری پر موت کو ترجیح دی اور خنجر سینے میں بھونک کر زندگی کے بوجھ سے سبکدوش ہوگیا - محمود نے شہر بھیرہ [۱۱] اور اس کے مضافات سلطنت غزنین میں شامل کرلیے - اور دوسو اَسّی ہاتھی اور بہت سا مال غنیمت لے کر واپس ہوا -

---

[۱۱] — ”بھیرہ نمک کی پہاڑیوں کے نیچے جہلم کے مغربی کنارے پر آباد ہے - پرانے آثار یہاں کثرت سے پائے جاتے ہیں - دریا کے اس پار احمدآباد سے اوپر کی طرف ' بوریری ' کے کھنڈر ' دیکھنے والے کی عقل کو دنگ کرتے ہیں“- (ایلیٹ جلد دوم صفحہ ۴۴۰) -

(۴) ملتان کی پہلی مہم سنہ ۱۰۰۴ — ۱۰۰۵ء

محمد قاسم صوبۂ سندھ کو آٹھویں صدی کے آغاز میں فتح کرچکا تھا ' لیکن محمود غزنوی سے ایک صدی قبل سندھ پر قرمطی بداعتقادی کی گھٹائیں چھائی تھیں - اس زمانے کے خیالات کے بموجب 'ملاحدہ' کے خلاف جہاد اتنا ہی واجب تھا جتنا کفار کے خلاف - بالائی سندھ کے حاکم شیخ حمید لودھی اور سبکتگین کے درمیان دوستانہ تعلقات تھے ' اور وہ سبکتگین کو تحفے تحائف بھیجتا رہتا تھا - لیکن شیخ حمید کے پوتے ابوالفتح داؤد نے اپنے دادا کا عاقبت اندیشانہ رویہ ترک کردیا اور ' اس خیال سے کہ بھیرہ کی تسخیر کے بعد محمود کے لیے ملتان کی راہیں کھل جائیں گی ' اس نے بجی رائے کی امداد کی ناکام کوشش کی - یہ فعل سراسر مصلحت کے خلاف تھا - اس وقت تو محمود چپکا ہورہا ' مگر ایک سال بعد (سنہ ۱۰۰۴-۱۰۰۵ء) اس نے داؤد کے خلاف علم جہاد بلند کیا - داؤد نے گھبراکر جے پال کے بیٹے انند پال سے مدد مانگی - انند پال نے محمودی لشکر کو روکنا چاہا ' اس لیے محمود نے داؤد پر حملہ کرنے سے پیشتر ہندوؤں پر دھاوا بول دیا - انند پال کے سپہ سالار پسپا ہوئے اور خود راجا نے پہاڑوں اور وادیوں کی راہ ' چناب پر پہنچ کر دم لیا - ملتان کا راستہ اب صاف تھا - داؤد میدان میں لڑنے کے قابل نہ تھا - اس لیے قلعے میں روپوش ہو بیٹھا - سات دن کے محاصرے کے بعد اس نے الحاد ترک کرکے پابند شریعت ہونے کا اقرار کیا اور بیس ہزار درہم سالانہ خراج دینے منظور کئے - صلح ابھی تکمیل کو نہ پہنچی تھی جو اطلاع

ملی کہ پایۂ تخت نازک حالت میں ہے - محمود غزنین کو چینی ترکوں کی زد سے بچانے کے لیے دو منزلہ و سہ منزلہ کرتا پایۂ تخت کو واپس ہوا -

خراسان پر ایلک خاں کی چڑھائی، بلخ کی لڑائی

سنہ ۹۹۹ع میں ایلک خاں اور محمود نے سامانی سلطنت آپس میں تقسیم کرکے دوستانہ روابط قائم کرلیے تھے - باوجود اس کے آمو دریا کے اس پار سرسبز میدانوں کو دیکھ دیکھ کر خان کے منہ میں پانی بھرتا تھا - سنہ ۱۰۰۴—۱۰۰۵ع میں جب کہ محمود ملتان کی مہم پر گیا ہوا تھا - ایلک خاں کو موقع ملا - اس نے خراسان اور بلخ پر قبضہ کر لیا - ہرات کے حاکم ارسلان حاجب کو مجبوراً غزنین ہٹنا پڑا - لیکن سادہ لوح چینیوں کو محمودی قوت کی خبر نہ تھی - اس کے یکایک غزنین میں آموجود ہونے سے غزنوی سرداروں کی ٹوٹی ہوئی ہمتیں پھر بندھ گئیں - ساری فوج از سرنو ترتیب دی گئی اور محمود پوری جمعیت کے ساتھ بلخ کے سامنے دشمن کے مقابل آیا - محمودی فوج کی ترتیب اس بات کو ظاہر کرتی تھی کہ وہ معرکے کی اہمیت سے خوب واقف تھا - شروع میں معلوم ہوتا تھا کہ جیت ترکوں کی ہوگی، لیکن آخرکار میدان غزنویوں کے ہاتھ رہا - فتحیابوں نے دو منزل تک غنیم کا پیچھا کیا - مگر موسم کی سختی نے ماوراءالنہر کے ویران علاقے پر حملہ کرنے سے باز رکھا - اسی اثنا میں ہندوستان میں بغاوت کی خبر ملی اور محمود نے اس طرف کا رخ کیا -

(۵) سکھ پال
سنہ ۱۰۰۵ء

دریائے سندھ کے مشرقی کنارے پر صرف بھیرہ محمود کے قبضے میں تھا - ملتان سے واپسی پر اس نے انند پال کے بھتیجے سکھ پال (نواسا شاہ) کو جو مسلمان ہوگیا تھا بھیرہ کا حاکم مقرر کردیا تھا - محمود کو ترکوں کے ساتھ مصروف جنگ دیکھ کر اس نے اسلام ترک کرکے اپنا آبائی مذہب اختیار کرلیا - اور محمود کے سرداروں کو نکال باہر کیا - بلخ سے فارغ ہوکر محمود بھیرہ کی جانب متوجہ ہوا لیکن وہاں پہنچنے سے قبل ہی سرحدی امرا نے سکھ پال کو گرفتار کرکے سلطان کے حضور میں پیش کردیا - محمود نے چار لاکھ درھم جو سکھ پال نے پس انداز کئے تھے زبردستی چھین لیے اور اس کو حبس دوام کردیا -

(۶) انندپال اور ہندوؤں کا اتحاد - ویہند کی دوسری لڑائی - نگرکوٹ سنہ ۱۰۰۸ — ۱۰۰۹ ع

بھیرہ کا محل وقوع جنگی اعتبار سے بیحد موزوں تھا اسی پر نظر رکھ کر سکھ پال بغاوت کر بیٹھا تھا - محمود ایسے مقام کو کبھی نہ چھوڑ سکتا تھا کہ جہاں پر وہ اپنا فوجی مرکز قائم کرکے جنوب میں ملتان اور مشرق میں انند پال پر حملہ آور ہوسکے - ملتان کا فتح کرنا تو کوئی بات نہ تھی لیکن وہاں کی خوفزدہ اور کنگال رعایا سے کچھ وصول ہونے کی توقع نہ تھی - رہا ھندوستان کا دروازہ ' تو وہ انند پال کے قبضے میں تھا اور محمود کے اور اس کے تعلقات پہلے ھی سے خراب تھے - جب سے سکھ پال پیشاور میں گرفتار ہوا تھا انند پال کو مسلمانوں سے دلی نفرت ہوگئی تھی - ادھر انندپال نے ملتان کے راستے میں محمود کے حملے کے وقت جو رکاوٹ پیدا کی

تھی اس کی وجہ سے محمود کے پاس بھی جنگ کے لیے ایک معقول عذر تھا - لیکن یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ جب محمود کاشغری افواج سے محاربہ کر رہا تھا تو انند پال نے محمود کو مدد دینے کا ارادہ ظاہر کیا تھا اور اس خوبی سے جوانمردی کا ثبوت دیا تھا کہ البیرونی تک اس کا مداح ہے - انند پال نے لکھا تھا "میں نے سنا ہے کہ ترک آپ سے باغی ہوگئے ہیں اور خراسان میں بڑھے چلے آ رہے ہیں - اگر آپ مناسب خیال فرمائیں تو میں خود پانچ ہزار سوار، دس ہزار پیادے اور سو ہاتھی لے کر خدمت میں حاضر ہوں، ورنہ اپنے بیٹے کے ساتھ اس سے دگنی تعداد روانہ کروں - اس خدمت سے میرا یہ مقصد نہیں ہے کہ آپ کے دل میں گھر کروں، مگر چونکہ آپ کے ہاتھوں شکست کھا چکا ہوں اس لیے میری غیرت یہ گوارا نہیں کرتی کہ کوئی اور آپ پر فتحیاب ہو"- اس خط کا اگر کچھ اثر ہوا تو صرف اتنا کہ آئندہ تین سال امن و امان سے گزر گئے، لیکن تاوقتیکہ انند پال کی قوت نہ ٹوٹ جاتی محمود اور اس کے درمیان صلح ناممکن تھی - سلطان نے ابھی ہندوستان کے دامن ہی کو چھوا تھا، اور مال غنیمت بھی بہت تھوڑا سا ملا تھا - ستلج پار ایسے ایسے مندر تھے جن پر عقیدت مند ہندوؤں نے پشتہاپشت کی دولت چڑھائی تھی - ان بیش بہا خزانوں کے حصول کے واسطے انند پال کا دفعیہ شرط اولین تھا، ورنہ پنجاب کے خزانے اور گنگا کے لہلہاتے مرغزاروں کی دولت اس کے ہاتھ کیونکر آتی - اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان کے راجا انند پال کو اپنے اور محمود کے درمیان حد فاصل سمجھنے لگے - جب تک دریائے سندھ

کے پیار جھگڑے ہوتے رہے ہندوستان کے راجاؤں نے اس طرف کچھ توجہ نہ کی اور بیجی رائے کو اپنے غرور کی سزا بھگتنے کے لیے اکیلا چھوڑ دیا - محمود کے ملتان پر حملہ آور ہونے کے وقت بھی سوائے انند پال کے کوئی قرامطہ کی مدد کو نہ اٹھا - لیکن اب پانی سر سے گزر کر ان کی مقدس سرحد سے ٹکرا رہا تھا، اور خانہ جنگی، مقامی آزادی اور خواب راحت کا خاتمہ ہوا چاہتا تھا -

سنہ ۱۰۰۸ع میں برسات ختم ہوتے ہی محمود نے انند پال پر لشکرکشی کی - انند پال نے ہندوستان کے دوسرے راجاؤں سے مدد کی درخواست کی - جس گرمجوشی کے ساتھ اس استدعا پر سب نے لبیک کہا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ملک کی قومی روح اگرچہ غیر منتظم سہی لیکن زندہ ضرور تھی - اجین، گوالیار، کالنجر، قنوج، دہلی اور اجمیر کے راجا فوجیں لے کر پنجاب کی طرف روانہ ہوئے - ہر طرف سے کمک پہنچنے لگی - یہاں تک کہ گکھڑ بھی انند پال کے جھنڈے تلے آ موجود ہوئے - حب الوطنی کی لہر ہندوستان کے شہر شہر اور گاؤں گاؤں دوڑ گئی اور ہر شخص ہتھیار باندھ لڑنے کو نکل پڑا - جوش و خروش کا یہ عالم تھا کہ "عورتوں نے اپنے زیور بیچ بیچ کر مسلمانوں کے خلاف لڑائی میں مدد دینے کے لیے دور دور سے روپیا بھیجا" - اور ان کی غریب بہنوں نے جن کو اتنا مقدور نہ تھا "چرخے کاتے اور محنت و مزدوری کرکے فوج کی خدمت کے واسطے روپیا مہیا کیا" - قدیم اور سدا بہار تمدن، مقدس مندر اور اسی قدر متبرک وطن کی حفاظت ایسی چیزیں ہیں جنھوں نے ہمیشہ رگ حمیت پر نشتر کا

کام کیا ہے اور شجاعت و بہادری کے کرشمے دکھائے ہیں - لیکن دلوں میں ابھی غبار باقی تھے - سالہا سال کی خانہ جنگیوں نے جو کدورت دلوں میں بھردی تھی وہ رنگ لائے بغیر نہ رہی- راجان ملک ایک دوسرے سے کھٹکے ہوئے تھے اور ان کے ساتھیوں کا بھی یہی حال تھا - موقع اور محل کے لحاظ سے انند پال کو فوقیت حاصل تھی مگر اس میں اتنی قوت نہ تھی کہ سب کو اپنا تابع فرمان بنا کر رکھتا - ہندوستانی افواج کی کمان کسی ایک شخص کے ہاتھ میں نہ تھی - برخلاف اس کے غزنوی لشکر میں انتہا درجے کی ترتیب اور باقاعدگی تھی - محمود کی فوج میں ہندوستان کے قومی سورماؤں سے زیادہ مختلف نسل کے لوگ شامل تھے لیکن سالہاسال کی معرکہ آرائیوں نے ان کو متفق الرائے اور ہم مقصد بنا دیا تھا - وہ اپنے راجپوت حریفوں کے برخلاف اپنے آقا پر بھروسا رکھتے تھے اور خطرے کے وقت خوف و ہراس ان کے پاس تک نہ پھٹکتا تھا - باوجود اس فرق کے یہ کہنا دشوار تھا کہ کونسا پلہ بھاری رہے گا -

انند پال اپنی ٹڈی دل فوج کے ساتھ ویہند کی طرف بڑھا - محمود کا اب تک ایسی زبردست فوج سے سابقہ نہ پڑا تھا اور نہ آئندہ کبھی ہوا - سلطان نے اپنی تیز فہمی سے اِس امر کا بخوبی اندازہ لگا لیا تھا کہ ہندوستانی جان پر کھیل جائیں گے - اسی لیے اس نے معمول سے زیادہ احتیاط برتی ' اور لشکر کے دونوں جانب خندقیں کھدواکر چالیس روز تک غنیم کے مقابل پڑا رہا - دونوں فریق اسی انتظار میں تھے کہ کون پیش قدمی کرتا ہے - جس قدر دیر ہوتی جاتی

تھی دشمن کی جمعیت بڑھتی جاتی تھی - محمود کو خوف ہوا کہ مبادا دشمن محض کثرت تعداد سے اس کے آزمودہ کار سپاہیوں پر غالب آ جائے - اس لیے اس نے ایک ہزار تیراندازوں کو حکم دیا کہ تیر برسائیں - اس کے جواب میں "تیس ہزار گکھڑ سر و پا برہنہ ننگی تلواریں ہاتھوں میں لیے دونوں طرف سے خندقیں پھاند چڑھ آئے اور بلائے بےدرماں ہوکر مسلمان سواروں پر پل پڑے - انسان ہو یا حیوان جو ان کے ہاتھ پڑا اس کا صفایا کیا - اور چشم زدن میں تین ہزار مسلمانوں کو جام شہادت پلا دیا" - محمود کے منصوبے درہم برہم ہوگئے - وہ سخت پریشانی میں تھا کہ کسی طرح گکھڑوں سے نجات پائے کہ دفعتاً تقدیر نے زور مارا اور فتح کا پانسا محمود کے حق میں پڑا - انند پال کا ہاتھی نفط کے دھماکے سے ڈر کر میدان سے نکل بھاگا - ہندوستانی سپاہ نے اس کو انندپال کی ذلیل ترین بد عہدی پر محمول کیا - ساری فوج میں بھاگڑ پڑگئی - دو شبانہ روز غزنوی افواج غنیم کا تعاقب کرتی رہیں - ہندوستانی مقتولین کی تعداد آٹھ ہزار سے زیادہ نہ تھی - لیکن باہمی نفاق کے باعث اتنی زبردست فوج کے بھاگ جانے سے، کہ جس کی تاب محمود کھلے میدان میں نہ لا سکتا، سب کے دل چھوٹ گئے - محمود کے خلاف یہی ایک قومی مظاہرہ ہوا تھا - وہ اس بدمزگی پر ختم ہوا - اس کے بعد اس کو کسی ہندوستانی جمعیت کا خوف نہ رہا اور والیان ہند یکے بعد دیگرے محمود کی اعلیٰ سپہ‌سالاری کے آگے مغلوب ہوتے گئے اور ان کے بیش‌بہا جواہر فاتح کے ہاتھ آتے گئے -

محمود نے دشمن کی بے ترتیبی سے فائدہ اٹھایا اور نگرکوٹ (کانگڑہ) [۱۲] پر، جو دریائے بیاس کے بالائی حصے میں ایک پہاڑ کی چوٹی پر واقع اور قلعۂ بھیم کے نام سے مشہور تھا، جا چڑھا - چناب تک تو وہ پہنچ ہی چکا تھا - وہاں سے نگرکوٹ صرف بارہ منزل کے فاصلے پر تھا - یہاں کی راجپوت سپاہ ویہند کی لڑائی میں گئی ہوئی تھی - محمود ان کی واپسی سے پہلے ہی جا موجود ہوا - سات روز کے محاصرے کے بعد برہمنوں نے، کہ وہی اس وقت قلعے میں تھے، دروازہ کھول دیا اور محمود کو چند ہمراہیوں کے ساتھ قلعے میں داخل ہونے کی اجازت دیدی - مندر میں اس قدر دولت تھی کہ کسی بادشاہ کے خزانے میں نہ ہوگی - سلطان نے مظلوم برہمنوں سے "سات لاکھ طلائی دینار، سات سو من سونے چاندی کے ظروف، دو سو من خالص سونا اور دو ہزار من کچی چاندی، اور بیس من مختلف اقسام کے جواہرات چو بھیم کے وقت سے اب تک جمع ہوتے چلے آئے تھے" تاوان میں وصول کئے - یہ پہلا موقع تھا کہ محمود نے اتنی دولت حاصل کی - ظاہر ہے کہ آئندہ اس کی ہوس بڑھتی ہی گئی -

ویہند کی دوسری لڑائی میں انندپال کی آبرو ریزی تو

---

[۱۲]—نگر کوٹ اور کوٹ کانگڑہ ایک ہی مقام ہے - نگر کوٹ اب تک رائج ہے - اس کے گرد بان گنگا اور بیاہ (بیاسر) دو ناقابل عبور دریا بہتے ہیں - بھیم کا شہر قلعے سے ایک میل پر ہے - اب یہ مقام بھون کہلاتا ہے - سکتی (دیوی) کی یادگار میں یہاں ایک مندر تعمیر ہوا تھا - اس مقام کو غلطی سے بھیم کی طرف منسوب کیا جاتا ہے" - (ایلیٹ جلد دوم صفحہ ۴۴۵) عہد وسطیٰ میں شہروں گاؤں اور مندروں تک کی قلعہ بندیاں ہوا کرتی تھیں -

ہوئی مگر اس کی قوت میں کوئی فرق نہ آیا - سلطان کی دوبارہ چڑھائی سنہ ۱۰۰۹—۱۰۱۰ع کا مقصد محاربہ نہ تھا بلکہ مظاہرۂ قوت تھا۔ کہا جاتا ہے کہ محمود نے بظاہر گجرات کا رخ کیا لیکن فی الواقع اس کی غرض یہی تھی کہ اس نازک اتحاد کو، جو انند پال اور دیگر رایان ہند کے درمیان قائم ہوا تھا، توڑدے - سلطان کا لشکر نہایت آب و تاب کے ساتھ پہاڑوں اور وادیوں میں سے گذرتا اور راستے میں جو ملتا اس کا سر قلم کرتا ہوا چلا - انند پال نے ڈر کے مارے پہلے سے پہلے ہی صلح کے ایلچی "دعاے دولت و اقبال" کے ساتھ سلطان کی خدمت میں روانہ کر دیے - محمود سے جنگ کرکے وہ "اپنی رعایا اور ملک کی تباہی و بربادی کے مناظر بہ چشم خود دیکھ چکا تھا" اور آئندہ پھر اسی مصیبت میں مبتلا ہونا نہیں چاہتا تھا - یہی وجہ تھی جو اس نے ہندوستانی جمعیت سے علحدگی اختیار کی اور محمود سے صلح کرلی - انند پال نے دو ہزار آدمی سلطان کی خدمت کے لیے نذر کئے اور ہر سال تیس ہاتھی خراج میں دینے کا وعدہ کیا - ہندوستان کا راستہ اب صاف تھا کیونکہ محمود انند پال کے علاقے میں سے ہو کر رایان ہند پر بآسانی حملہ آور ہو سکتا تھا (۱۳) -

---

[۱۳]—عتبی کا بیان جغرافی اعتبار سے صحیح نہیں ہے - اس میں شک نہیں کہ محمود کا مقصد انند پال کو مرعوب کرکے صلح کرنے کا تھا اور اس کی اس نیت کا ثبوت انند پال کے صلح نامے سے ملتا ہے - جس کا ذکر عتبی نے بعد میں کیا ہے - سلطان کے لیے "دعاے دولت و اقبال" سے یہ منشا تھا کہ محمود کے پنجاب میں سے گذرنے میں انند پال حائل نہ ہوگا -

غور کی تسخیر

سنہ ۱۰۱۰ ء کے موسم بہار میں محمود نے نخوت پسند غوریوں کی گوشمالی کی اور ان کو اپنی عاجزی کا اعتراف کرنا پڑا - غوری جو تعداد میں کل دس ہزار تھے ' اپنے گرد خندقیں کھود کر صبح سے دوپہر تک مقابلے پر جمے رہے - لیکن کب تک ؟ مانا کہ وہ بہت جری اور بہادر تھے لیکن محمود جیسے یکتاے روزگار سپہ سالار کے سامنے ان کی کوئی حقیقت نہ تھی - محمود شکست کی صورت بناکر پیچھے ہٹا - سیدھے سادے پہاڑی تعاقب کے لیے خندقوں سے باہر نکل آئے - محمود کی مراد برآئی اور اس نے ایک ہی وار میں سب کو پار لگایا - محمد بن سوری ایسا دل شکستہ ہوا کہ دربار میں آتے وقت اس نے ہیرے کی کنی کھالی اور زندگی پر موت کو ترجیح دی - والیان غور ' علاءالدین جہاں سوز کے زمانے تک غزنین کے مطیع و منقاد رہے -

(۸) ملتان پر دوسرا حملہ سنہ ۱۰۱۰ - ۱۰۱۱ م

آئندہ موسم سرما میں محمود نے ملتانی مملکت پر جو کئی سال سے اپنی تاراجی کی منتظر تھی حملہ کیا ' اور زور قوت سے مرعوب کر کے شہر پر قبضہ کر لیا - سلطان نے بہت سے قرمطی ملاحدہ کو قتل کیا اور ان کے ہاتھ پیر کاٹ کر سنیوں کے دلوں کو ٹھنڈا کیا - داؤد کی باقی ماندہ زندگی غور کے ایک قلعے میں قید کی حالت میں کٹی -

(۹) تھانیسر ' سنہ ۱۰۱۱ — ۱۰۱۲ ع

سنہ ۱۰۱۱ ء میں محمود نے تھانیسر پر فوج کشی کی [۱۴] - وہاں کا بت 'سکراوسمہں '

[۱۴] — عتبی نے تھانیسر کی مہم کو ناردن (نندونا) کے حملے کے بعد دکھایا ہے - ایلیٹ نے بھی یہی غلطی کی ہے - تھانیسر پر چڑھائی انند پال کی

ہندوؤں کے لیے اتنا ہی متبرک تھا جتنا مسلمانوں کے لیے کعبہ۔ ایسے قدیم مقام پر بے شمار دولت کا ملنا یقینی تھا[۱۵]۔ انند پال نے صلح نامے کی رو سے جملہ فرائض مہمان نوازی ادا کئے۔ سوداگروں اور دکانداروں کو حکم دیا کہ رسد کا انتظام کریں اور خود راجا کا بھائی دو ہزار سپاہ کے ساتھ سلطان کے ہم رکاب رہا۔ محمود نے انند پال کی سلطنت کو ہاتھ نہ لگایا۔ لیکن اس کی سفارش پر اہل تھانیسر سے سالانہ خراج لینا قبول نہ کیا۔ محمود کا قول تھا "میری خواہش ہے کہ ہندوستان سے بت پرستی یک قلم مٹا دوں" راے تھانیسر کو اب جاکر ہندوستانی جمعیت کی ضرورت محسوس ہوئی۔ مگر وقت گذر چکا تھا۔ اس نے راجگان ہند کو لکھا "اگر ہم سب مل کر اس طوفان کے مقابل بند نہ باندھیں گے تو یقین رکھو کہ سارا ملک غرق ہو جائے گا اور کیا چھوٹا کیا بڑا کوئی بھی نہ بچ سکے گا"۔ لیکن قبل اس کے کہ رایان ہند اس بے ڈھنگے اتحاد کو استوار کرتے محمود پیغام اجل بن کر سر پر آ کھڑا ہوا۔ رائے تھانیسر کو مایوس ہوکر فرار ہونا پڑا۔ محمود نے خزانے سمیٹے اور شہر کے بتوں کو فراغت سے توڑا۔ سلطان، مشرق کی طرف اور آگے بڑھنا چاھتا تھا لیکن سرداروں نے صلاح نہ دی، کیونکہ اس صورت میں اس کو انند پال کا دست نگر

حیات میں ہوئی تھی۔ اس لیے نندرنا پر فوج کشی، جو انند پال کے بیٹے ترلوکن پال کے خلاف ہوئی، اس سے قبل ہونی ناممکن ہے۔ فرشتہ میں اس کا ذکر صحت کے ساتھ درج ہے۔

[۱۵]—سکرا وسمیں وشنو کا بت تھا۔ یہ کانسے کا بنا ہوا تھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں ایک ہتھیار تھا جو سکرا کہلاتا تھا۔ یہ بت غزنین میں گھڑدوڑ کے میدان میں ڈال دیا گیا۔ (البیرونی)۔

ہونا پڑتا - چنانچہ محمود نے لاتعداد " خادموں اور غلاموں " پر اکتفا کی اور غزنین واپس ہوا - دیگر ایشیائی فاتحین کی طرح محمود کی فوج بھی معجون مرکب تھی - ایک آقا کی فرماں برداری اور جنگ جوئی کی خو نے مختلف لوگوں کو یک جہت بنا دیا تھا - جہاں کہیں اچھے سپاہی ملتے محمود ان کو اپنی فوج میں بھرتی کر لیتا - ہندوستانی باوجودیکہ غیر مسلم تھے لیکن فوج میں آزادی سے داخل کئے جاتے تھے - بعد میں ایک ہندو کی سرداری میں ان کا ایک علاحدہ دستہ بنا دیا گیا - محمود کے سرداروں میں اس کی بڑی عزت تھی -

محمود اور خلیفہ

سنہ ۱۰۱۲-۱۰۱۳ء میں محمود کے سپہ سالاروں نے غرجستان کو فتح کر ڈالا اور خلیفہ القادر باللہ کو خراسان کے اضلاع سے دست بردار ہونے پر مجبور کیا - لیکن خلیفہ نے سمرقند نہ دیا اور کہلا بھیجا کہ " میں کبھی ہرگز ایسا نہ کروں گا بلکہ اگر تم نے میری بغیر اجازت سمرقند پر قبضہ کیا تو تمام دنیا میں تمہارا منہ کالا کر دوں گا " - محمود غضبناک ہوا اور خلیفہ کے ایلچی کو دھمکایا " کیا تم چاہتے ہو کہ میں ایک ہزار ہاتھی لے کر آؤں اور سمرقند کو تباہ کرکے اس کی مٹی تک ان پر لاد کر غزنین لے جاؤں ؟ " - مگر یکے بعد دیگرے اسلامی اور ہندی تمدن کے مرکزوں کو برباد کرنے کی محمود میں جرأت نہ تھی - اس لیے اس کو خلیفہ سے معافی مانگنی پڑی خلیفہ کا باوجود اس گئی گزری حالت کے پھر بھی اتنا اقتدار باقی تھا کہ غزنوی سلطنت کی اخلاقی بنیاد کو اکھاڑ پھینکتا -

مگر محمود اپنے ارادے سے باز نہ آیا اور اپنی قوت سمرقند میں قائم کر کے ہی رہا -

(۱۰) ترلوکن پال اور بھیم پال نندونا — سنہ ۱۰۱۳ — ۱۰۱۴ء

اس اثنا میں انند پال کی موت نے محمود کے منصوبے درہم برہم کر دیے - انند پال کا جانشین ترلوکن پال اپنے باپ کی بہ نسبت مسلمانوں کی طرف زیادہ مائل تھا، لیکن طبیعت کاکمزور واقع ہوا تھا - انتظام حکومت اس کے بیٹے بھیم کے ہاتھ میں تھا جو ''نڈر'' کے لقب سے مشہور تھا - اس نے اپنے دادا کے طرز عمل سے انحراف کرکے غزنین سے رشتۂ اتحاد کو منقطع کرلیا - محمود کو ہندوستان میں داخل ہونے کے لیے لاہور کا راستہ صاف رکھنا ضروری تھا - اس لیے اس کو پھر جنگ آزما ہونا پڑا - سنہ ۱۰۱۳ء کے موسم خزاں میں محمود غزنین سے روانہ ہوا، مگر ہندوستان پہنچنے سے قبل ہی برفباری ہونے لگی اور محمود کو اپنا ارادہ ملتوی کرنا پڑا - موسم بہار کے شروع ہوتے ہی غزنوی سپاہیوں نے بھی جنبش کی اور پہاڑی بکروں کی طرح پہاڑوں پر چڑھ کر آبشار کی مانند نیچے اُترنے لگے - نڈر بھیم نے درّۂ مرگلہ [۱۶] پر قلعہ بندی کرلی - یہ مقام تنگ اور بلندی پر تھا - کمک کے پہنچتے ہی وہ نیچے اُتر آیا اور لڑائی شروع ہوگئی - آخر ایک بڑے معرکے کے بعد میدان

---

[۱۶] — '' نندونا جس لڑائی میں گرفتار ہوا تھا وہ درّۂ مرگلہ میں واقع ہوئی تھی - یہی مقام ہے جس کا ذکر عتبی نے کیا ہے - بالا ناتھ کی پہاڑی جہلم کے کنارے واقع ہے اور اب عام طور پر ٹیلہ کے نام سے مشہور ہے - اِس کی چوٹی پر جوگیوں کا مرکز ہے - جہاں دور دور کے جوگی آکر رہتے ہیں '' - (ایلیٹ) -

محمود کے ہاتھ رہا - بھیم قلعۂ نندونا کی مورچہ بندی کر کے درّہ کشمیر کو فرار ہوگیا - محمود نے پنجاب کو سلطنت میں شامل کرلینے کی ٹھان لی تھی - اِس لئے پہلے قلعۂ نندونا کو سر کرکے فوج کا کچھ حصہ وہاں چھوڑا اور باقی فوج کے ساتھ بھیم کے تعاقب میں روانہ ہوا - بھیم بھی گرگ باراں دیدہ تھا - ہاتھ نہ آیا اور محمود کو کشمیر کی پہاڑیوں کے دامن تک پہنچ کر واپس ہونا پڑا -

(۱۱) درّۂ کشمیر لوہکوٹ ، سنہ ۱۰۱۵—۱۰۱۶ء

دوسرے سال پھر سلطان نے درّۂ کشمیر میں داخل ہونے کی کوشش کی لیکن لوہکوٹ کے آگے اس کی تمام کوششیں رائگاں گئیں - محصورین کو برابر کشمیر سے مدد پہنچتی رہی یہاں تک کہ برفباری شروع ہوگئی اور محمود کو پہلی مرتبہ ہندوستانی مہم میں پیٹھ دکھانی پڑی - واپسی کے وقت دریاے جہلم طغیانی پر تھا - فوج کی بڑی تعداد اس میں غرق ہو گئی - اور سلطان بہ ہزار خرابی پانی کے طوفان سے نجات پاکر نا کام و نا مراد غزنین پہنچا -

تسخیر خوارزم

لیکن مشرق کا نقصان مغرب کی کامیابی نے پورا کردیا - محمود کی بہن شاہ خوارزم ابوالعباس مامون سے منسوب تھی - دلھن کو سسرال گئے ابھی پورا سال بھی نہ ہوا تھا جو باغیوں نے ابوالعباس کو قتل کر ڈالا - محمود اپنے بہنوئی کا بدلہ لینے کی غرض سے روانہ ہوا - باغیوں کو قلعۂ ہزاراسپ کے سامنے شکست ہوئی - محمود نے اپنے سپہ سالار التون تاش کو خوارزم شاہ کا خطاب دے کر خوارزم کا حاکم مقرر کردیا -

(۱۲) دوآب، سنہ ۱۰۱۸-۱۰۱۹ء برن اور مہابن

سنہ ۱۰۱۸ء میں برسات کے اختتام پر محمود نے دوآب کا رخ کیا، جس کے خواب وہ مدتوں سے دیکھ رہا تھا - محمود کی ایک لاکھ با قاعدہ فوج میں بیس ہزار ترکستانی اور خراسانی رضاکار اور شامل ہوگئے - ساعت بھی نیک تھی - ہندی اتحاد کا خاتمہ ہوچکا تھا اور ہندوستان کے سرداروں میں سے کوئی بھی محمود کے مقابلے کی تاب نہ لاسکتا تھا - اُس کی سپہ سالاری کی شہرت کا ڈنکا چاروں طرف بج رہا تھا - اور ہر ایک بخوبی جانتا تھا کہ سلطان اپنے طریقۂ کار میں فرد ہے - ترلوکن پال اور نندر بھیم گو اِس دفعہ بھی محمود کے ہاتھ نہ آئے لیکن پنجاب سے بھاگ گئے - کشمیر کے راجا سالی نے سلطان سے صلح کرلی اور محمودی افواج کا مقدمۃالجیش اپنے زیر کمان لینا قبول کیا - غزنویوں کا ٹڈی دل گنجان جنگلوں کو کاٹتا اور پنجاب کے دریاؤں کو عبور کرتا دوسری دسمبر کو جمنا پار پہنچا اور برن (بلند شہر) پر حملہ آور ہوا - رائے ہردت اپنے دس ہزار آدمیوں کو لےکر شہر سے باہر نکل آیا - سب نے، خواہ مصلحتاً ہو یا صدق دل سے، تبدیل مذہب کا اقرار کیا اور بت پرستی سے توبہ کی - [۱۷] محمود جمنا کے کنارے کنارے مہابن پہنچا - وہاں کا راجا رائے کلچند

---

[۱۷]- نظام الدین اور فرشتہ نے غلطی سے رائے قنوج کے اسلام قبول کرنے کا ذکر کیا - اِن کے بیان کے بموجب محمود پہلے قنوج پر حملہ آور ہوا تھا - اِنھوں نے محمود کے حملے کا راستہ دکھانے میں بھی لغزش کی ہے، کیونکہ اِن کے بیان سے محمود کا بار بار جمنا کو عبور کرنا ظاہر ہوتا ہے - میں نے عتبی کے بیان کو صحیح مانا ہے اِس لیے کہ وہ ہم‌عصر تھا اور اُس نے بعد کے مورخین کی طرح جغرافی غلطیاں نہیں کی ہیں -

خانگی لڑائیوں میں فتحمند ہونے کی وجہ سے ناقابل شکست خیال کیا جاتا تھا - اُس نے کامیابی کے زعم میں اپنی فوجیں گھنے جنگل میں آراستہ کیں - محمود جنگل میں گھس کر اُن پر ٹوٹ پڑا اور مہابن کی افواج کو منتشر کردیا - بھاگڑ میں غنیم کے اکثر سپاہی جمنا میں غرق ہوگئے - بہادر کلچند نے قید کی ذلت سے بچنے کی خاطر اپنی بیوی بچہ کو قتل کردیا اور اپنے سینے میں کٹار مار کر جان دیدی -

متھرا جمنا کے دوسرے کنارے پر متھرا کا قدیم شہر واقع تھا - جہاں کرشن باسدیو نے جنم لیا تھا - "اُس کی شہر پناہ ٹھوس پتھر کی تھی جس کے نیچے دریا پڑا بہتا تھا - دریا کی جانب دو پھاٹک بلند اور مستحکم بنیادوں پر قائم تھے تاکہ طغیانی اور برسات کے زمانے میں محفوظ رہ سکیں - شہر کے دونوں طرف تقریباً ایک ہزار مکان اور اُن سے ملے ہوئے مندر تھے - سب پر اوپر سے نیچے تک لوہے کی چادریں چڑھی ہوئی تھیں - معماروں نے بھی پائداری میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی تھی - اِن کے مقابل اور عمارتیں چوڑے چوڑے چوبی ستونوں پر قائم تھیں - شہر کے بیچوں بیچ ایک مندر تھا جو مضبوطی اور وسعت میں سب پر فوقیت لے گیا تھا - قلم اُس کے بیان سے قاصر اور مصور اُس کی تصویر کھینچنے سے عاجز ہے - وہاں کے باشندوں کا خیال تھا کہ اُس کو انسانوں نے نہیں بلکہ جنات نے بنایا تھا - آبادی اور خوشنما عمارات کے لحاظ سے متھرا اِس قدر مالا مال تھا کہ اُس کا نظیر نہ تھا - انسانی زبان کی مجال نہیں کہ اُس کے عجائبات بیان کرسکے" -

لیکن جوں ہی محمود نے جمنا کو عبور کیا وہاں کے باشندے اپنی جانیں بچاکر شہر سے بھاگ نکلے اور ہندی صناعی کی اِس عدیم المثال یادگار کو بچانے کی ذرا بھی کوشش نہ کی - محمود کو باطمینان مشق سفاکی کا موقع ملا - " اس نے حکم دیا کہ کل مندر نفط اور آگ سے جلا کر خاک کردیے جائیں" - خیال ہوتا ہے کہ محمود جیسے صنعت پسند شخص نے یہ فعل تعصب کی وجہ سے نہیں بلکہ آتش رشک سے جل کر کیا - وہ متھرا کی غارتگری کے بعد سرداران غزنین کو خط میں ایک جگہ لکھتا ہے " اس شہر میں صدہا رفیع الشان عمارتیں ہیں جو زیادہ تر بڑے بڑے پتھروں کی بنی ہوئی ہیں - مندار حد شمار سے زیادہ ہیں ایسی عمارتیں تعمیر کرنے کے لیے ایک کروڑ دینار اور دوسو برس تک بہترین معماروں کے کام کرنے کی ضرورت ہوگی " - مالی اعتبار سے یہ مہم توقعات سے کہیں زیادہ ثابت ہوئی - مال غنیمت میں طلائی بتوں سے ۹۸۳۰۰ مثقال سونا برآمد ہوا - چاندی کے بت دوسو تھے جو بغیر توڑے وزن نہ ہوسکتے تھے - دو یاقوتوں کی قیمت کا تخمینہ پانچ ہزار دینار کیا جاتا تھا اور ایک نیلم کا وزن ۴۵۰ مثقال تھا - اِن کے علاوہ اور بھی بہت سی چیزیں ہاتھ آئیں جن کا وجود اس دولت و تمول کے مرکز پر یقینی تھا - متھرا سے چند کوس کے فاصلے پر بندرابن تھا - یہاں کے سات قلعے آسمان سے باتیں کرتے تھے مگر راجا نہایت ڈرپوک تھا - محمود کی آہٹ پاتے ہی فرار ہوگیا - سلطان نے وہاں کے مال و دولت پر بھی قبضہ کیا [۱۸] -

[۱۸] — جمنا کے کنارے متھرا کا محل وقوع بڑا دلفریب معلوم ہوتا ہے

قنوج ، آسنی اور شروا

سلطانی لشکر بہت بڑا تھا اور تیز رفتاری سے نقل و حرکت نہ کرسکتا تھا اس لئے محمود نے صرف کارآزمودہ لوگوں کو چھانٹ لیا اور باقی فوج کو پیچھے چھوڑ کر قنوج پر چڑھائی کی - قنوج کا قدیم شہر ہرش وردھن کا پایۂ تخت ہونے کے باعث بہت مشہور تھا - اس کی حفاظت کے لئے سات قلعے تھے جو دریائے گنگا کے کنارے واقع تھے - قنوج میں چھوٹے بڑے دس ہزار مندر تھے - راجیان قنوج محمود کے خلاف جیپال اور انند پال کی امداد میں کسی سے پیچھے نہ رہے تھے - محمود کی آمد کی خبر سنتے ہی وہاں کا راجا راجیا پال بھاگ گیا [۱۹] رعایا نے راجا

موسم گرما میں شام کے وقت ایک روز میں وہاں کے معزز باشندے پنڈت رادھا کرشن صاحب کے ہمراہ جمنا کے کنارے ٹہل رہا تھا - یکایک میری آنکھوں میں متھرا کی قدیم شان و شوکت کا نقشہ کھنچ گیا - بندرابن جانے والی سڑک پر جس کا ذکر کرشن جی کی روایات میں بار بار آتا ہے ، شاعرانہ جذبات کو ابھارنے کے لیے اب بھی کچھ کم دلاویزیاں نہیں ہیں - آج بھی ایک سیاح (بشرطیکہ آنکھیں کھول کر دیکھے) بہت سے بعد کے صناعوں کے کمالات میں وہ وہ خوبیاں پائے گا جو اس کو محو حیرت بنا دیں گی - متھرا کا قدرتی منظر اب بھی ویسا ہی دلکش ہے جیسا کہ مہابھارت کے زمانے میں ہوگا -

[۱۹]—عتبی نے اس کو رائے جیپال لکھا ہے اس میں اور راجیاپال میں کوئی فرق نہیں ہے - لیکن یہ وہ رائے جیپال والی لاہور نہیں ہے جو برسوں پہلے مر چکا تھا - اس کے بعد عتبی نے پور جیپال اور چاند رائے کی جنگ کا حال لکھا ہے - پور جیپال انند پال نہیں بلکہ ترلوچن پال ہے جس کو البیرونی تروجن پال کہتا ہے - اس کو پور جیپال (یعنی انند پال کا بیٹا) کہنا لفظی غلطی ہے - بعد کے مورخین نے ناموں میں بہت الجھن پیدا کردی ہے - فرشتہ قنوج کے راجا کا نام کوڑا بتاتا ہے - ونسنٹ سمتھ نے راجیاپال کے بیٹے کا نام ترلوچن پال قرار دیا ہے - ان کے علاوہ اور بھی بہت سی غلطیاں ہیں جن کا ذکر عبث ہوگا - البتہ البیرونی کی ہندو شاہی خاندان کی

کی تقلید کی اور دوبارہ متھرا کا سا واقعہ پیش آیا - محمود نے ایک ھی روز میں ساتوں قلعے تسخیر کئے اور شہر کو لوٹ لیا - گنگا کے کنارے تھوڑی دور پر موجودہ فتح پور کے متصل رائے چندل بھور کا قلعہ آسنی واقع تھا - راجا جو اس وقت رائے قنوج سے مصروف پیکار تھا فرار ہوگیا - محمود نے قلعہ آسنی کو بھی تاراج کیا اور جنوب کی طرف چل کر قلعہ منج (مجھاون) [۲۰] پر آپہنچا - یہاں کے راجپوت بھی آن کے پورے تھے - مقابلے پر اڑے رھے اور جب کامیابی کی کوئی توقع نہ دیکھی تو عورتوں اور بچوں کو آگ میں ڈال خود ایک ایک کرکے کٹ مرے - یہاں سے فراغت پائی تو چاند رائے والی شروا [۲۱] کی باری آئی - یہ وھی تھا جس نے بدنصیب ترلوکن پال کو عین اس وقت مشرق کی سمت سے پریشان کیا تھا جب کہ محمود اس کو مغرب کی طرف سے دبا رھا تھا - اس باھمی نفاق سے بچنے کے لیے ترلوکن پال نے یہ تک منظور کر لیا تھا کہ اپنے لڑکے کی شادی چاند رائے کی بیٹی سے کردے - لیکن جب نذر بھیم دلھن کو لینے سسرال

فہرست اس قضیے کا تصفیہ کر دیتی ھے - اس کا ذکر ھم پہلے کرچکے ھیں اور اگر ھم عتبی کے دیے ھوئے نام پور جیپال کو ترلوکن پال قرار دے لیں تو باقی مشکلات بھی حل ھو جاتی ھیں -

[۲۰]—عتبی منج کو برھمنوں کا قلعہ بتاتا ھے اور تسخیر آسنی سے قبل اس کا ذکر کرتا ھے یہ کسی طرح تسلیم نہیں کیا جا سکتا کیونکہ شروا جاتے وقت یہ قلعہ راستے میں ملتا ھے - عتبی کے بیان کے بموجب محمود کو دو مرتبہ بندیل کھنڈ جانا پڑا ھوگا - جس کو عقل سلیم قبول نہیں کرتی -

[۲۱]—یہ مقام یا تو سیوڑرا تھا جو کالنجر اور باندہ کے درمیان دریاے کین پر آباد ھے یا سریوا گڑھ تھا جو کونچ کے قریب پاھنج پر واقع ھے - (ایلیٹ جلد دوم صفحہ ۴۵۹) -

گیا تو خسر نے قید کرلیا اور لڑائی کو بند نہ کیا - اُدھر محمود نے حملہ کردیا - ترلوکن پال کو فرار ہوکر چندل بھور کے پاس اصلی میں پناہ لینی پڑی - اب چونکہ لاہور اور شروا کے گھرانے ایک ہی مصیبت میں گرفتار تھے اس لیے ایک کو دوسرے سے ہمدردی پیدا ہوگئی - نندر بھیم نے جو آزاد ہوگیا تھا چاندرائے کو دوستانہ نصیحت کی کہ "سلطان محمود ہند کے فرمانرواؤں کی طرح نہیں ہے - نہ اُس کی سپاہ دیسی فوج کی طرح ہے - محض اس کے یا اس کے باپ کے نام کی ہیبت ہی سے فوجیں فرار ہوجاتی ہیں - میرے خیال میں وہ تم سے کہیں زیادہ قوی اور طاقتور ہے - کیونکہ تلوار کا ایک وار کرکے نہ اس کو صبر آتا ہے اور نہ ایک پہاڑی سے گزر کر اس کی سپاہ کو چین آتا ہے - اگر تم کو اپنی سلامتی منظور ہے تو کہیں چھپ رہو" یہ صلح طے پاگئی - چاندرائے اپنے ہاتھی اور خزانہ لیکر پہاڑوں کی طرف نکل کھڑا ہوا - محمود نے فتح شروا کے بعد اس کا تعاقب کیا اور آخرکار ڈھونڈھ نکالا - رائے کو ۶ جنوری سنہ ۱۰۱۹ع کی رات میں شکست ہوئی اور اس کے ہاتھی محمود کے ہاتھ آئے - قنوج سے اس معرکے تک سلطان نے بہ مشکل ۱۷ دن صرف کئے ہونگے -

محمود کے کارناموں نے مسلمانوں کو محو حیرت بنا دیا سکندر نامہ اور شاہ نامہ کی داستانوں تک میں ایسے افسانے نہ تھے جو محمود نے واقعہ کر دکھائے - گویا ایک عجیب نئی دنیا دریافت ہوگئی تھی - دشوار گزار گھنے سرحدی جنگلوں اور پنجاب کے دریاؤں کے پار ویرانوں اور برباد شدہ قصبوں اور

دیہات میں موذن کی آواز گونج چکی تھی - اس کامیابی پر دل کھول کر خوشی منائی گئی - خلیفہ نے محمود کی فتوحات کا مژدہ سنانے کے لیے دربار خاص منعقد کیا - ہند کی آخری مہم کے حالات منبروں پر سے بڑے ذوق و شوق کے ساتھ سنائے جاتے تھے جن سے سامعین کے دلوں میں ولولہ پیدا ہوتا تھا - خوش عقیدہ مسلمان دلی مسرت کے ساتھ کہتے تھے "جو رسول خدا اور صحابہ نے عرب، ایران، شام اور عراق میں کیا تھا وہی محمود نے ہندوستان میں کر دکھایا" حالانکہ اس سے زیادہ حقیقت سے بعید اور کیا ہو سکتا تھا - محمود نے بےشمار دولت تو بےشک حاصل کرلی لیکن یہ بھی ضرور ہے کہ اہل ہند کو اپنے مذہب کی طرف سے سخت متنفر کر دیا - غزنوی فاتح کی سفاکیاں اور مندروں کی فراموش نہ ہونے والی غارتگریاں دیکھتے ہوئے خانہ برباد اور آبرو باختہ اہل ملک، اسلام کو کبھی عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھ سکتے تھے - محمود کی فتوحات نے اسلام کا رتبہ اخلاقی حیثیت سے بلند نہیں کیا بلکہ اس کو ذلیل و بدنام کر دیا - البتہ مال غنیمت جو اس نے حاصل کیا اس کا اندازہ تین کروڑ درہم تھا اور "غلاموں کی کثرت کا اس امر سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ فی کس دو یا تین درہم میں فروخت ہوتا تھا - غزنین میں سوداگر دور دور سے آ آ کر ان کو خریدتے تھے، یہاں تک کہ ماوراءالنہر، عراق اور خراسان ہندی غلاموں سے پٹ گئے اور ان مظلوموں میں غریب، امیر، گورے کالے کی کوئی تفریق نہ رہی" - غالباً متھرا کی دیکھا دیکھی سلطان نے واپسی پر غزنین میں جامع مسجد اور دارالعلوم تعمیر کیا - امرا نے بادشاہ کی

تقلید کی اور چند ہی روز میں پایۂ تخت عالیشان محلوں سے آراستہ نظر آنے لگا -

محمود کی آنکھوں میں ابھی ہندوستان کے دو طوفان خیز مرکز کھٹک رہے تھے - ترلوکن پال اور اس کا بھتا ندر بھیم گو شکست کھا چکے تھے لیکن ان کا کامل دفعیہ نہ ہوا تھا - وہ دوآب میں موجود تھے - بندیل کھنڈ کا مطلع بھی صاف نہ تھا - رائے نندا والیِ کالنجر کی نیت بدلی ہوئی معلوم ہوتی تھی اور وہ آمادۂ جنگ نظر آتا تھا - ہندوستان سے محمود کی واپسی پر اس نے رائے گوالیار کی معیت میں راجیاپال پر فوج کشی کی اور اس کو قتل کر دیا - وجہ یا تو کوئی پرانی عداوت ہو یا یہ کہ راجیاپال نے محمود کے مقابلے میں نہایت بزدلی کا اظہار کیا تھا - ترلوکن پال اور نندا دونوں سے محمود کی یکساں عداوت تھی اس لئے ان کا باہمی اتحاد یقینی تھا - مگر محمود بھی ایسا نہ تھا کہ معاملات کو طول پکڑنے دیتا - قبل اس کے کہ پھر ایک ہندی جمعیت تیار ہو اس نے سنہ ۱۰۱۹—۱۰۲۰ع میں ہندوستان پر یورش کر دی اور ساتوں دریاؤں کو عبور کرتا ہوا راھب (رام گنگا) کے کنارے ترلوکن پال کے مقابل آ کھڑا ہوا - محمودی لشکر نے مشکوں پر بیٹھ کر دریا کو پار کیا اور ترلوکن پال کی فوج کو منتشر کر کے باڑی پر جس کو قنوج کی تاراجی کے بعد راجیا پال نے آباد کیا تھا حملہ کیا اور اس کو تہ و بالا کر ڈالا [۲۲] - اسی

[۲۲]—قنوج گنگا کے مغرب میں ایک بہت بڑا شہر ہے - گنگا کے مشرق میں باڑی کے پایۂ تخت ہو جانے سے اس کا بیشتر حصہ ویران ہوگیا ہے - دونوں شہروں کے درمیان تین چار روز کی مسافت ہے' (البیرونی ج ۱ ص ۱۹۹)

اثنا میں نندا تلہا مقابلے کی نیت سے یا ترلوکن پال کو کمک پہنچانے کے لیے ۳۶ ہزار سوار اور چالیس یا پچاس ہزار پیادے اور ۶۴۰ ہاتھی لے کر کالنجر سے روانہ ہو چکا تھا۔ محمود بھی آگے بڑھا اور دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ لڑائی کی جائے وقوع کا تعین کرنا دشوار ہے۔ سلطان نے ایک بلند مقام سے دشمن کی سپاہ کا مشاہدہ کیا اور اپنی خطرناک مہم پر افسوس کیا۔ لیکن رائے پر محمود کا رعب اس قدر چھایا تھا کہ تمام سامان اور آلات جنگ کو میدان میں چھوڑ راتوں رات وہاں سے نکل بھاگا۔ پہلے تو محمود کو خوف ہوا کہ کہیں دھوکا نہ ہو لیکن جب یقین ہو گیا کہ واقعی راجا فرار ہو گیا ہے تو اس کے دم میں دم آیا اور اس نے دل کھول کر لشکر کو لوٹا۔ دو سو ستر ہاتھی ترلوکن پال کے معرکے میں اور پانچ سو اسی ہاتھی اِس دفعہ سلطان کے ہاتھ لگے۔ چونکہ پنجاب کی تسخیر ابھی مکمل نہ ہوئی تھی اور نندا کی فوج جوں کی توں موجود تھی۔ ہر وقت حملے کا اندیشہ تھا بلکہ احتمال تھا کہ واپسی کی راہیں بند نہ ہو گئی ہوں۔ اس لیے محمود نے موقع کو غنیمت جانا اور سیدھا غزنین کا راستہ لیا۔

(۱۴) پنجاب کی تسخیر، سنہ ۱۰۲۱-۱۰۲۲ء

محمود کو ہندوستان کی فتح مقصود نہ تھی، لیکن دوآبے کے معرکے اس کو مستقر سے بہت دور کھینچ لائے تھے۔ بندیل کھنڈ میں

میدان جنگ وہیں کہیں ہوگا۔ جس مقام پر رام گنگا، گنگا میں آکر ملتی ہے۔ وی۔ اے سمتھ نے شکست خوردہ رئیس کو راجیاپال کا بیٹا بتایا ہے جو سراسر غلط ہے۔ عتبی کے بیان کے بعد اس میں کسی شبہے کی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ مراد ترلوکن پال پسر انند پال سے ہے۔

داخل ہونے کے لیے پنجاب کو قابو میں لانا ضروری تھا - چنانچہ سنہ ۱۰۲۱ع میں محمود نے بڑھیوں اور لوہاروں اور سنگ تراشوں' کی ایک بڑی تعداد اپنے ساتھ لی اور پنجاب میں مستقل حکومت قائم کرنے کے ارادے سے چل کھڑا ہوا - پہلے سوات' باجوڑ اور کافرستان کے سرحدی قبیلوں کی خبر لی' کیونکہ انہوں نے اسلام کا جوا اپنے کندھوں پر نہ رکھا تھا' اور ابھی تک شہر کے مجسمے (سکھا سھا) کو بدھ سمجھ کر پوجتے تھے - ان لوگوں نے ہتھیار ڈال دیے اور اسلام قبول کیا [۲۳] - محمود نے اس علاقے میں ایک قلعہ تعمیر کرایا اور آگے بڑھ کر دوبارہ لوھکوٹ پر چڑھائی کی مگر ناکام پھرا - محمود کا مدعا تو بہرحال پورا ہو چکا تھا اور پنجاب اس کے قبضے میں آ گیا تھا - اس نے لوٹ اور غارت گری کو موقوف کیا اور پنجاب کا نظم و نسق درست کرنے کی طرف متوجہ ہوا - لاہور پر ایک معتمد حاکم کو مقرر کیا اور باقی علاقے دیگر عمال کے سپرد کرکے خاص خاص مقامات پر فوجی دستے معین کر دیے - ترلوکن پال راھب کی لڑائی کے کچھ ہی دنوں بعد فوت ہو گیا اور ندر بھیم جو رائے اجمیر کے پاس چلا

---

[۲۳]—فارسی تواریخ میں قیرات اور نارویں (یانور) کا تذکرہ ھے جن کو ایلیٹ نے البیرونی کے حوالے سے کنیر اور لندقی سے تعبیر کیا ھے - یہ ندیاں دریاے کابل میں آ ملتی ھیں - أصل میں مراد سرحدی قبائل سے ھے - یہاں بکثرت ایسی یادگاریں موجود ھیں جن سے شیروں کی پرستش کا پتا چلتا ھے - (ایلیٹ جلد دوم صفحہ ۴۰۴) ''اس جگہ ایک بڑے مندر کو توڑنے پر شیر کی ایک نقشی مورت نکلی جس کے متعلق ھندوؤں کا خیال تھا کہ چار ھزار برس کی پرانی تھی' (فرشتہ) - بڑھئی' لوھار اور سنگتراش سرحد اور پنجاب کے اھم مقامات پر قلعے تعمیر کرنے کی غرض سے لائے گئے تھے -

گیا تھا سنہ ۱۰۲۶ ع میں راہی عدم ہوا - اس کے ساتھ کلور خاندان کا بھی خاتمہ ہو گیا - کسی ہم عصر منصف مزاج مسلمان مورخ نے نندر بھیم کی موت سے متاثر ہو کر کلور خاندان کا نوحہ ان الفاظ میں لکھا ہے - حقیقت میں کیا سچ کہا ہے -

رہے گا صفحۂ گیتی پہ افسانہ رقم ان کا
ہٹا ہرگز نہ راہ عزم و ہمت سے قدم ان کا

(۱۵) گوالیار اور کالنجر، سنہ ۱۰۲۲ - ۱۰۲۳ م

دوسرے سال محمود نے لاہور کی راہ نندا پر فوج کشی کی، اور زیادہ کی ہوس نہ کرکے راستے میں جو ہاتھ پڑا لیتا ہوا گوالیار میں خیمہ زن ہوا - رائے نے ۳۵ ہاتھی نذر کئے اور صلح کرلی - وہاں سے چل کر محمود کالنجر پہنچا اور اس کا محاصرہ کیا - لیکن نندا نے معقول شرائط پر صلح کرلی اور قلعے سے ۳۰۰ ہاتھی ترکوں کی جانب ہانک دیے کہ پکڑیں اور سوار ہوں، محمود کو یہ بات پسند آئی اور اس کو رائے کی خوش مذاقی پر محمول کیا - رائے نندا نے فرط اِنبساط سے محمود کی تعریف میں چند ہندی اشعار کہے جن سے رشتۂ ارتباط اور استوار ہوگیا - ہندوستان، عرب اور عجم کے علما نے جو سلطانی کیمپ میں موجود تھے یک زبان ہوکر ان اشعار کی داد دی - محمود نے فوراً حکم دیدیا کہ پندرہ قلعوں پر نندا کا قبضہ بحال کر دیا جائے - اس کے عوض میں زر نقد کے علاوہ محمود کو قیمتی جواہرات نذر کیے گئے اور سلطان اپنی سب سے مشرقی کامیابی کے بعد خوش و خرم واپس ہوا -

محمود ماوراءالنہر میں، سنہ ۱۰۲۳ ع

غزنین پہنچ کر سلطان نے اپنی تمام فوج جمع کی - اس فوج کے علاوہ جو اضلاع میں متعین تھی محمود کے پاس ۵۴ ہزار سوار اور ۱۳۰۰ ہاتھی تھے [۲۴] - اس لشکر کے ساتھ اس نے آمو دریا کو عبور کیا اور ماوراءالنہر کے سرداروں کو مرعوب کرنے چلا - علی تگین حاکم سمرقند پا بہ زنجیر بارگاہ سلطانی میں لایا گیا - محمود نے اس کو قید کرکے ہندوستان بھیج دیا - یہ دیکھ کر چھوٹے چھوٹے سرداروں نے فوراً اطاعت قبول کرلی اور سلطان کی خدمت میں حاضر ہوئے - ایلک خاں کا بھائی یوسف قدر خاں [۲۵] بھی سلطان کی ملاقات کو آیا - اس نے درخواست کی کہ سلجوقیوں کو خراسان کی طرف ڈھکیل دیا جائے - یہ خانہ بدوش چرواہے اور بربری ترکمان، جن کی قسمت میں بادشاہی لکھی تھی، ایک مدت سے اپنے ہمسایوں کو پریشان کررہے تھے - سامانی بادشاہوں کے عہد میں یہ ترکستان سے آکر دریاے جیحون کے اس پار نوربخارا میں آباد ہوگئے تھے - اور وہاں سے درغان خوارزم میں آتے جاتے رہتے تھے - اسرائیل بن سلجوق ان کا سردار تھا جس کے باپ کے نام سے یہ فرقہ مشہور ہوا - ترکستان اور

[۲۴]—محمود کے پاس سب ملاکر ۲۵۰۰ ہاتھی تھے -

[۲۵]—ایلک خاں، خوانین کاشغر کا لقب تھا - قدرخاں کے متعلق میرخوند، فرشتہ اور حمداللہ مستوفی میں بہت اختلاف ہے - 'راحت الصدور' مصنفہ محمد ابن علی ابن سلیمان راوندی (مولفۂ ڈاکٹر محمد اقبال) میں قدر خاں کی بجاے ایلک خاں مذکور ہے - تاریخ ہند کے طالب علم کے لیے یہ امر چنداں اہم نہیں ہے یہ یاد رکھنا چاہیے کہ خلیفہ نے محمود کو سمرقند دینے سے انکار کردیا تھا -

ماوراءالنہر کے 'ملک' اسرائیل کے نام سے کانپتے تھے - "شکار ہو یا میدان جنگ دونوں میں اس کا آنا طوفان کا آنا تھا - گرجتا برستا وہ جس طرف نکل جاتا قیامت برپا کر دیتا - جو اس کے سامنے آتا اُس کی موت تھی - نشانہ ایسا بےخطا تھا کہ نہ کسی پرند کو ہوا میں اور نہ کسی چرند کو جنگل میں اس کے تیر سے پناہ تھی" [۲۶] - اوروں کی دیکھا دیکھی وہ بھی اپنے ترکمانوں کو لیے محمود کے حضور میں آیا - سر پر ترچھی ٹوپی تھی، اور بقول میر انیس

'گھوڑے پہ تھا شقی کہ پہاڑی پہ دیو تھا'

اس اولوالعزم نوجوان کو دیکھ کر سلطان پہلے تو ذرا جھجھکا - مگر جہاں دیدہ اور چالاک تھا، اپنی کمزوری کو ظاہر نہ ہونے دیا اس سے پوچھنے لگا کہ وقت ضرورت پر وہ کتنی فوج سے مدد دے سکے گا - اسرائیل نے جواب دیا - "اگر آپ ان میں سے ایک تیر ہمارے لشکر میں روانہ فرمائیں تو آپکے پچاس ہزار تابعدار سوار ہوکر فوراً آ موجود ہونگے - اور جو یہ تعداد کافی نہ ہو تو دوسرا تیر بلخان کوہ بھیج دیں پچاس ہزار اور آجائیں گے" محمود کے چہرے پر ہوائیاں سی اُڑنے لگیں مگر اس نے اپنی پریشانی چھپاتے ہوئے پوچھا "اور اگر مجھکو تمھاری ساری فوج کی ضرورت پڑے تو؟" اسرائیل نے عرض کیا " آپ میری کمان بھیج دیں - اس کو دیکھتے ہی دو لاکھ سوار حاضر ہوجائیں گے" [۲۷] - محمود کو خوف ہوا

---

[۲۶]—طبقات ناصری -

[۲۷]—گبن، جلد ششم - میں نے اس مکالمے میں مشہور مورخ گبن کے بیان کی پیروی کی ھے - راحت‌الصدور میں زیادہ تفصیل سے لکھا ھے کہ

کہ کہیں ایسا نہ ہو وقت نکل جائے اور نقصان اٹھانا پڑے - اس لیے اس نے سلجوقیوں کو وہیں دبا دینے کی ٹھان لی اور اسرائیل کو حکم دیدیا کہ اپنے خیمے سے باہر نہ نکلے - چار ہزار سلجوقی مع مال و اسباب کے غزنوی سپاہیوں کی نگرانی میں آمو دریا پار بھیج دیے گئے - سلطان کے مہر سامان ارسلان حاجب نے تو بلکہ یہ صلاح دی تھی کہ ان کی کشتیاں بیچ دریا میں غرق کردی جائیں - لیکن محمود نے اس رائے کو نہ مانا اور یہ کہہ دیا کہ "تقدیر کا نوشتہ نہ دغابازی سے بدلتا ہے نہ بہادری سے [۲۸]" - اسرائیل اور اس کے دو بھتیجے کالنجر کے قلعے میں قید کردیے گئے - جہاں اس نے سات برس بعد وفات پائی [۲۹] - جلا وطن خاندانوں کو خراسان کے شمال مغربی علاقے میں چراگاہیں دیدی گئیں اور ان کو نہتّا کرکے امرائے خراسان کی حراست میں رکھا گیا - سلجوقیوں کو ایران کی زرخیز سر زمین پر آباد کردینا تو آسان تھا لیکن ان کو قابو میں رکھنا سخت دشوار ثابت ہوا - ہجرت کا سلسلہ ایک دفعہ جو شروع ہوا تو بند ہونا ناممکن ہوگیا اور آخرکار

چھلا تیر دیکھ کر اسرائیلی لشکر کے ایک لاکھ سوار آموجود ہونگے ' دوسرے تیر سے ماوراءالنہر کے پچاس ہزار ترکمان ' اور کمان کو دیکھتے ہی ترکستان سے دو لاکھ ترکمان حاضر ہو جائیں گے -

[۲۸]—طبقات ناصری - راحت الصدور میں مذکور ہے کہ اسرائیل کے قید ہوجانے پر سلجوقیوں کو خود ان کی خواہش کے مطابق آمو دریا پار چلے جانے کی اجازت دے دی گئی تھی - حالانکہ ارسلان حاجب کی رائے اس کے خلاف تھی -

[۲۹]— اسرائیل ایک دفعہ قید خانے سے نکل بھاگا تھا - مگر راستہ بھول جانے کے باعث پھر گرفتار ہوگیا -

غزنوی سلطنت سلجوقی چراگاہوں میں تبدیل ہوگئی [۳۰]۔ اس دبی ہوئی چنگاری کا ایک نہ ایک دن شعلہ بن کر بھڑکنا ضرور تھا۔ بہر کیف اُس وقت تو محمود کا راج تھا، سوء قسمت اسرائیل کے عبرت ناک واقعے نے ترکمان سرداروں کی ہمتیں پست کردیں، نتیجہ جو کچھ بھی ہو۔

(۱۶) سومناتھ سنہ ۱۰۲۵-۱۰۲۶ء

محمود کو اب شمالی ہند سے زیادہ رغبت نہ رہی کیونکہ وہاں کے مندروں کی بیشمار دولت اس کے خزانے میں پہنچ چکی تھی۔ البتہ گجرات کا مالدار اور زرخیز صوبہ ابھی تک اس کی زد سے محفوظ تھا۔ چنانچہ ۱۸ اکتوبر سنہ ۱۰۲۵ ع کو فوج با قاعدہ کے علاوہ تیس ہزار رضاکار سواروں کے ہمراہ محمود سومناتھ کے مندر کی طرف روانہ ہوا۔ یہ مندر دریائے سرستی سے ایک تیر کے فاصلے پر واقع تھا۔ جس کے کنارے کرشن جی کی روح نے قفس عنصری سے پرواز کیا تھا [۳۱]۔

[۳۰]—سلجوقیوں کے ابتدائی حالات کے بیان کرنے میں فرشتہ، روضۃ الصفا، راحت الصدور اور طبقات ناصری کا آپس میں اختلاف ہے۔ اس موضوع پر یہاں تفصیلی بحث نہیں کی جاسکتی۔ اس لیے میں وہی لکھنے پر اکتفا کرتا ہوں جو مجھکو سب سے زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے۔ ملاحظہ ہو پروفیسر ہوٹسما (Prof. Houtsma) کا مضمون 'سلجوق' انسائیکلو پیڈیا بریٹینیکا میں۔

[۳۱]—عتبی کے ہاں سومناتھ کے حملے کا حال درج نہیں ہے۔ اس کی تاریخ راہب کی لڑائی پر ختم ہوجاتی ہے۔ جس میں ترلوکن پال کو شکست ہوئی تھی۔ سومناتھ کے معرکے کا سب سے قدیم ماخذ عرب مورخ ابن اثیر کی کامل التواریخ ہے۔ فرشتہ نے بھی مفصل حال لکھا ہے لیکن اس میں بعد کی حاشیہ آرائیاں بھی شامل ہیں جو بنظر تحقیق دیکھنے کی محتاج ہیں۔

سومناتھ کا مندر

فرشتہ، ابن اثیر کے حوالے سے لکھتا ہے "ہندوستان کے باشندوں کا عقیدہ تھا کہ تمام روحیں جسم خاکی سے جدا ہوکر سومناتھ کے پاس آتی ہیں اور وہ روح کو مسئلۂ آواگون کے مطابق اعمال کے لحاظ سے ایک نہ ایک جون میں بدل دیا کرتا ہے - ہندو سمجھتے تھے کہ سمندر کی موجیں جو چڑھتی اُترتی ہیں اصل میں دیوتا کی پرستش کرتی ہیں - برہمنوں کا خیال تھا کہ جن بتوں کو محمود نے توڑا تھا اُن سے دیوتا ناراض تھا - اِسی لیے اُس نے اُن کی مدد نہ کی، ورنہ اُس میں تو یہ قدرت تھی کہ چشم زدن میں جس کو چاہتا ہلاک کر دیتا - سومناتھ سب دیوتاؤں کا بادشاہ اور باقی دیوتا اُس کے دربان اور خدمت گزار تھے - چاند گرہن اور سورج گرہن کے مواقع پر مندر میں لاکھوں آدمی جمع ہوتے تھے دور دور سے تحفے، تحائف بھیجے جاتے - ہندوستان کے راجاؤں نے دس ہزار گاؤں اِس کے لیے وقف کر رکھے تھے [۳۲] - ایک ہزار برہمن دن رات پوجا پاٹ میں لگے رہتے - حالانکہ گنگا وہاں سے چھ سو کوس کے فاصلے پر ہے مگر روز تازہ گنگا جل سے دیوتا کا اشنان ہوتا تھا - [۳۳] مندر میں ایک طرف دو سو من وزنی سونے کی زنجیر لٹکتی تھی جس میں گھنٹیاں آویزاں تھیں مقررہ وقت پر یہ گھنٹیاں بجائی جاتی تھیں تاکہ برہمنوں کو پوجا کے اوقات کی اطلاع ہوتی رہے - ۵۰۰ خوش گلو طوائفیں اور دو سو گوّیے ہر وقت خدمت کے

---

[۳۲]—اعداد کی تصحیح میں نے ابن اثیر کے حوالے سے کی ہے -

[۳۳]—البیرونی کا بیان ہے کہ کشمیر سے بھی پھولوں کی ٹوکری آیا کرتی تھی -

لیے موجود رہتے - اُن کی سب ضروریات چڑھاووں سے پوری ہوتی تھیں - تین سو حجام جاتریوں کی ڈاڑھیاں اور سر کے بال مونڈنے کے لیے مقرر تھے - کئی راجاؤں نے اپنی بیٹیاں سومناتھ پر چڑھادی تھیں جو رہتی بھی وہیں تھیں - مندر کی عمارت بہت کشادہ اور اُس کی چھت ٥٦ مرصع ستونوں پر قائم تھی - سومناتھ کا بت پتھر کا تھا - اُس کی لمبائی پانچ گز تھی جس میں سے دو گز زمین میں اور تین گز باہر تھا - تاریخ زین المعاصر میں مذکور ہے کہ جس حجرے میں یہ بت تھا اُس میں روشنی کا گزر نہ تھا - قندیلوں میں جواہر و الماس جڑے ہوئے تھے اور اُن کی جگمگاہٹ سے روشنی ہوتی تھی [٣٤] -

[٣٤]—سومناتھ کی ابتدا جس طور پر ہوئی اِس حکایت کو البیرونی نے یوں بیان کیا ہے " چاند کی شادی پرجاپتی (برهما؛ علة العلل) کی بیٹیوں (منازل قمر) سے ہوئی تھی - اِن میں سے وہ روہنی کو سب سے زیادہ چاہتا تھا - پرجاپتی نے اول تو چاہا کہ چاند اپنی سب بیبیوں کے ساتھ یکساں سلوک رکھے - مگر یہ نہ ہوسکا - اِس لیے پرجاپتی نے چاند کے حق میں بددعا کی چنانچہ وہ کوڑھی ہوگیا - چاند نے گو بعد میں توبہ بھی کی مگر پرجاپتی کے کوسے کا علاج نہ تھا - البتہ اُس نے یہ وعدہ کیا کہ وہ مہینے میں پندرہ روز کے لیے چاند کو چھپا دیا کریگا تاکہ اُس کی ذلت کم از کم اِس عرصے تک تو ڈھکی رہے' اور چاند کو ہدایت کی کہ وہ اپنے گناہوں کے کفارے میں لنگ مہادیو بنا کھڑا کرے - " چاند نے اِس کو قبول کیا اور مہادیو کا لنگ تیار کرایا - یہی لنگ سومناتھ کا بت تھا - سوم بمعنی چاند اور ناتھ بمعنی آقا یعنی ' چاند کا آقا ' اِس بت کو محمود نے سنہ ٤١٦ھ میں توڑا - اوپر کا حصہ تو اُس نے ٹکڑے ٹکڑے کرادیا اور باقی مع تمام ساز و سامان و زر و جواہر کے غزنین بھجوا دیا - وہاں اِس کا کچھ حصہ تو تھانیسر کے کانسی کے بت سکراوسمیں کے ساتھ گھوڑ دوڑ کے میدان میں پڑا ہے اور ایک حصہ غزنین کی جامع مسجد کے دروازے کے آگے ڈال دیا گیا ہے ؛ جس پر نمازی اپنے پاوں رگڑ کر صاف کرتے ہیں - سومناتھ اِس وجہ سے مشہور ہے کہ وہاں بحری مسافر آکر دم لیا کرتے تھے - سومناتھ کا قلعہ زیادہ قدیم نہ تھا

محمود کا کوچ براہ راجپوتانہ

محمود کی شہرت کو سومنات کے حملے نے چارچاند لگادیے - اور حقیقت بھی یہی ہے کہ یہ مہم اُس کی فوجی قابلیت اور ذہانت کا بہترین کارنامہ ہے - اب تک محمود کے دھاوے زرخیز علاقوں میں ہوے تھے جہاں اناج کی کثرت تھی اور فاقہ کشی کی کبھی نوبت نہ آئی تھی - محمود کی زندگی میں یہ سب میں پہلا اور سب سے آخری موقع تھا کہ اُس نے حزم و احتیاط کو بالاے طاق رکھ کر نہ موسم کی سختی دیکھی نہ دشمن کی برچھیوں کا خیال کیا اور ایسے خطرناک علاقے میں جا نکلا جہاں ذرا سی چوک سے جان پر آبنتی - وسط رمضان میں محمود ملتان میں وارد ہوا - یہاں پہنچ کر اُس نے راجپوتانے کے ریگستان سے گزرنے کی کوشش کی - حکم تھا کہ ہر شخص کئی کئی دن کا کھانا اور پانی اپنے ساتھ رکھ لے - مزید احتیاط کے لیے تیس ہزار اونٹوں پر سامان رسد لادا گیا - اِس اہتمام کے ساتھ سلطان اجمیر کی طرف روانہ ہوا - وہاں کا راجا پہلے ہی سے جان بچا کر بھاگ گیا - محمود نے شہر کی لوٹ مار پر قناعت کی اور قلعے کے محاصرے سے در گزرا - وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ راستے میں فضول وقت ضائع کرے - راستے میں جو اور قلعے اور شہر ملے اُن کے ساتھ بھی یہی واقعہ پیش آیا - محمود کی ہیبت اِس قدر چھائی ہوئی تھی کہ کوئی اُس کے مقابلے پر نہ آتا - گجرات

بلکہ صرف سو برس پرانا تھا - "بت کی اصلی جاے وقوع سرستی کے دھانے سے تین میل کے فاصلے پر تھی - یہ مقام پانی کے اتار کے وقت صاف دکھائی دینے لگتا تھا - غالباً اسی روایت سے یہ بات مشہور ہوگئی ہوگی کہ چاند لنگ کی پوجا کیا کرتا تھا - بعد میں دریا کے دھانے سے ایک تیر کے فاصلے پر مندر تعمیر کردیا گیا - (البیرونی جلد دوم صفحہ ۱۰۳) -

کے پایۂ تخت انہلواڑہ تک کو بچانے کی کوئی تدبیر نہ کی گئی اور چھوڑ کر بھاگ گئے - محمود نے شہر سے ضروری سامان فراہم کیا اور دریائے سرستی کے کنارے کنارے جنوری کے دوسرے ہفتے میں سومناتھ پہنچا - "قلعۂ سومناتھ کی برجیاں آسمان سے باتیں کرتی تھیں اور سمندر کی لہریں اُس کے قدموں کو چومتی تھیں" - ہندو محمود کی فوج کو دیکھنے کے لیے فصیل پر چڑھ گئے اور پکار پکار کر مسلمانوں سے کہنے لگے کہ "سومناتھ دیوتا تم کو اس واسطے یہاں لایا ہے کہ جو جو مندر تم نے ہندوستان میں توڑے ہیں اُن کی پاداش میں تم کو نیست و نابود کر دے" -

سومناتھ کا معرکہ

دوسرے دن جمعہ کو جنگ کا آغاز ہوا - غزنوی سپاہ نے فصیل پر سیڑھیاں لگا کر چڑھنا شروع کیا - ہندوؤں نے لاکھ گرانا چاہا مگر کچھ نہ ہوسکا - سارا دن اِسی جد و جہد میں گزر گیا - شام ہوتے ہی محاصرین اپنے خیموں کو واپس ہوئے - ہفتہ کے روز فصیل پر قبضہ کر کے محمود شہر میں داخل ہوا - ہندو چار و ناچار اپنے اپنے مکانوں سے نکل کر آخری کوشش کرنے کے لیے مندر کے گرد جمع ہوگئے - ان کا ایک ایک دستہ سومناتھ دیوتا سے لپٹ لپٹ کر رخصت ہوتا، آگے آتا اور دشمنوں سے کٹ جاتا - 'مندر کے دروازے پر خون کی ندی بہ نکلی اور کشتوں کے پشتے لگ گئے' - فیصلہ ابھی دو ٹوک نہ ہونے پایا تھا کہ رات کی تاریکی نے پردہ ڈال دیا اور محمود کو دوبارہ اپنی لشکرگاہ میں واپس ہونا پڑا - اسی دوران میں ہندوؤں کو کمک پہنچ جانے سے تقدیر کی بےثباتی محمود پر روشن ہوگئی -

محمود اس تیز رفتاری سے سومناتھ پر حملہ آور ہوا تھا کہ گجرات کے راجا پوری طرح سنبھل بھی نہ سکے تھے - مگر اہل سومناتھ کا جی توڑ کر لڑنا آخر کار کام آ گیا - اور آس پاس کے راجاؤں کو اپنی بے ہنگم فوجی طاقت کو جمع کرلینے کی مہلت مل گئی - راتوں رات محصورین کی مدد کو ایک ہندی لشکر' آ پہنچا صبح ہوتے محمود کیا دیکھتا ھے کہ ہندوؤں کا لشکر اُس کے گرد حلقہ باندھے کھڑا ھے - سلطان نے اپنی فوج کا کچھ حصہ تو محاصرے کے لیے چھوڑا اور باقی سپاہ کے ساتھ ان نو واردوں کے مقابلے کو پلٹا "جانبین نے داد شجاعت دی اور میدان کار زار میں ان کے غصے اور نفرت کی آگ بھڑک اُٹھی" - ہندوؤں کو چاروں طرف سے برابر کمک پہنچ رہی تھی اور تازہ دم سپاہیوں کی شرکت سے ان کا پلہ بھاری ہوتا جا رہا تھا - برخلاف اس کے مسلمانوں کی قوت لحظہ بہ لحظہ گھٹ رہی تھی اور آثار ضعف نمایاں ہونے لگے تھے - محمود کے اوسان کھوئے ہوئے تھے - سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کرے اور کیا نہ کرے اگر توقف کرتا تو شکست اور بربادی لازمی تھی - اگر حملہ کرتا تو انجام کار نہ معلوم کیا ہوتا - اسی پس و پیش میں اسے ایک تدبیر سوجھی - محمود نے شیخ ابوالحسن خرقانی رح کا جبہ ہاتھوں میں لے کر نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ خدا سے کامیابی کی دعا مانگی اور دھاوا بول دیا - تقدیر جو ہر دم محمود کے ھمرکاب تھی اِس وقت پھر آگے آئی - محمود دشمنوں کی صفوں کو چیرتا پھاڑتا اُس پار نکل گیا - کمکی فوج کو شکست ہوئی اور آن کی آن میں

سومناتھ دیوتا کی قسمت کا فیصلہ ہوگیا - قلعے والوں نے ڈر کے مارے فوراً قلعے کے دروازے کھول دیے -

محمود مندر میں داخل ہوا اور اس قدر دولت اس کے ہاتھ آئی کہ جس کے افسانے آج تک لوگوں کی زبانوں پر ہیں - جو زر و جواہر محمود کے قبضے میں آئے اُس کا عشر عشیر بھی ہندوستان کے کسی راجا کے خزانے میں نہ تھا' - بعد کے مورخوں کا بیان ہے کہ برہمنوں نے کثیر رقم بطور فدیہ دینی چاہی ' لیکن محمود نے قبول نہ کیا - وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ بجائے بت شکن ' کہلانے کے اُسے بت فروش کا لقب دیا جائے - چنانچہ ایک گرز ایسا مارا کہ بت ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور اس کے پیٹ میں سے بیش قیمت جواہرات نکل پڑے - یہ بیان سراسر غلط اور ناقابل اعتبار ہے [۳۵] - قطع نظر اِس سے کہ کوئی ہم عصر مورخ اس واقعے کا ذکر نہیں کرتا یہ بات بھی غور کے قابل ہے کہ سومناتھ کا بت ٹھوس پتھر کا بے تراشا لنگ تھا - کوئی کھوکھلی مورت نہ تھی جو اس کے پیٹ سے جواہرات بر آمد ہوتے - یہ صحیح ہے کہ محمود نے بت کو توڑا لیکن برہمنوں کی طرف سے روپے کا پیش کیا جانا اور محمود کا انکار کرنا بعد کی من گھڑت ہے -

محمود' انہلواڑہ میں

سومناتھ سے فراغت پاکر محمود نے پرم دیو والیِ انہلواڑہ کی خبر لی ' کیونکہ اسی کی وجہ سے محمود سخت مشکل میں گرفتار

[۳۵]—'کامل التواریخ' میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے - اس کا سب سے قدیم حوالہ تاریخ الفی میں ملتا ہے' جو محمود کی وفات کے چھ سو سال بعد لکھی گئی - اس قصے کے موجد اور اس پر اعتبار کرنے والے وہی لوگ ہوسکتے تھے جو سومناتھ کے بت کی اصل ساخت سے ناواقف تھے -

ہوگیا تھا - رائے مذکور نے سومناتھ سے ۴۰ فرسخ کے فاصلے پر کھاندہ کے قلعے میں پناہ لی جو چاروں طرف سمندر سے گھرا ہوا تھا - محمود نے جواربھاٹے کے اتار کے وقت سمندر کو عبور کیا - لیکن راجا وہاں سے پہلے ہی فرار ہو چکا تھا - اس لئے کل کا کل خزانہ محمود کے ہاتھ لگا - محمود انہلواڑہ کو واپس ہوا - یہاں کی آب و ہوا اُس کو اس قدر پسند آئی کہ ہندوستان میں قیام کرنے کا خیال پیدا ہوگیا - اس کا ارادہ تھا کہ انہلواڑہ کو اپنا پایۂ تخت بنا کر غزنین' مسعود کے سپرد کر دے - گجرات کے موسم کی خوشگواری ''وہاں کے باشندوں کا حسن' باغوں کی دلفریبی' دریاؤں کی روانی اور زمین کی زرخیزی'' محمود کو اس قدر بھائی کہ وہاں سے جانے کو جی نہ چاہتا تھا - علاوہ ازیں جنوبی ہند اور سمندر پار کے جزائر کی دولت کی طمع محمود کے توسن خیال پر تازیانے کا کام کر رہی تھی - لیکن امرائے دربار اس سے متفق نہ تھے - انہوں نے یک زبان ہوکر کہا کہ ''خراسان کے ملک کو چھوڑ کر جس کی خاطر ہم نے اپنی قیمتی جانیں تک قربان کر دی ہیں' گجرات کو دارالسلطنت بنانا سیاسی ہوشمندی نہیں ہے - محمود مجبور ہوگیا اُس نے گجرات کی حکومت دابشلیم (دیو سرم) نامی سومناتھ کے ایک رشی کے سپرد کی اور خود غزنین کی طرف مراجعت کی - دابشلیم کچھ دنوں تک تو شاہی خراج ادا کرتا رہا لیکن اس کی قوت کو استحکام نہ تھا اور دشمنوں نے اس کو بر طرف کر دیا [۳۶] -

[۳۶]—فرشتہ نے دو دابشلیموں کا مفصل حال لکھا ہے - جو داستان انوار سہیلی سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا - یہ کہنا دشوار ہے کہ کس حد تک فرشتہ کا بیان قابل اعتماد ہے -

راجپوتانے کے راجا جن پر محمود سومناتھ جاتے وقت اچانک ٹوٹ پڑا تھا اُس کی واپسی پر سنبھل بیٹھے تھے - لیکن سلطان کا لشکر مال غنیمت سے لدا ہوا تھا اور وہ حتی الوسع ریگستانی معرکوں سے بچنا چاہتا تھا ۔ کیونکہ یہاں سوائے برابر کی چوٹوں کے اسے کچھ نہ ملتا - اسی وجہ سے محمود نے راجپوتانے کے بجائے سندھ کا راستہ اختیار کیا - یہ راہ بھی خطروں سے خالی نہ تھی بلکہ بسم اللہ ہی غلط ہوئی - سومناتھ کا ایک پجاری جو محمود کی رہبری پر مامور تھا قصداً ایک دن اور ایک رات پوری فوج کو غلط راستے پر لے گیا تاکہ مسلمانوں کو پانی نہ ملے اور پیاس کے مارے مر جائیں - محمود کو جب معلوم ہوا تو اس کو وہیں تہ تیغ کیا - اسی وقت سلطان کی دعا سے آسمان پر ایک 'غیبی روشنی' نمودار ہوئی - جس کے پیچھے پیچھے مسلمان ہو لئے اور آخرکار ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں پانی بافراط موجود تھا - ریگستان سے نکلے ہی تھے کہ جاٹوں نے حملہ کر دیا - غرض بہ ہزار دقت و خرابی محمود کو غزنین پہنچنا نصیب ہوا -

(۱۷) جاٹ
سنہ ۱۰۲۷ ع

سنہ ۱۰۲۷ع میں محمود نے جاٹوں پر حملہ کیا تاکہ ان کو ان کی شرارت کا مزا چکھائے - سلطان نے ملتان میں چودہ سو کشتیوں کا بیڑا تیار کروایا - ہر کشتی میں بیس بیس سپاہی تیر و کمان اور نفط کی بوتلوں سے مسلح متعین کئے اور جاٹوں کی گوشمالی کے لیے روانہ ہوا - جاٹوں نے اپنی چار ہزار کشتیوں سے دلیری کے ساتھ مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی - سلطان کی کشتیوں کی ساخت بہت عمدہ تھی - اُن میں

سامنے اور دونوں پہلوؤں میں لوہے کی میخیں لگی ہوئی تھیں - محمود کی کامیابی کی وجہ یہی تھی - علاوہ ازیں نفط کے استعمال نے جاٹوں کو تہ و بالا کر دیا - بہت سے ڈوب کر مر گئے اور ان کی عورتوں اور بچوں کو جنہیں جاٹوں نے حفاظت کے خیال سے دریاے سندھ کے جزیروں میں پہنچا دیا تھا ، محمود نے گرفتار کر لیا -

اصفہان اور رے کی فتح

سلطان محمود کا آخری زمانہ مغربی جھگڑوں میں گذرا - سلجوقی روز بروز تکلیف دہ ہوتے جاتے تھے اور اس کے سرداروں کے قابو میں نہ آتے تھے - انہوں نے عاجز ہو کر محمود سے خود تکلیف کرنے کی درخواست کی - محمود گیا اور جاتے ہی سلجوقیوں کو شکست دے کر منتشر کر دیا - مگر یہ صرف چند روزہ بات تھی کیونکہ سلجوقی پھر آپس میں مل جل گئے - اسی اثنا میں اس کے عمال نے رے کی دیلمی سلطنت کو اکھاڑ پھینکا - چنانچہ سلطان وہاں اپنی حکومت قائم کرنے کے ارادے سے گیا اور 'ملاحدہ' اور قرامطہ کی' جو شیعی دور حکومت میں بہت زور پکڑ گئے تھے ' اچھی طرح خبر لی - جس کسی پر ثابت ہو جاتا کہ ملحد ہے وہ فوراً قتل کر دیا جاتا - لیکن سلطان کی عمر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا اور سل کے آثار نمایاں ہو چلے تھے - اس لیے وہ سنہ ۱۰۲۹ع کے موسم زمستان میں اصفہان اور رے کی حکومت مسعود کے سپرد کر کے بلخ چلا آیا - یہاں پہنچ کر ظاہر میں تو افاقہ معلوم ہوتا تھا لیکن دراصل مرض بڑھتا جا رہا تھا - موسم بہار

میں محمود غزنین پہنچا اور ۳۰ اپریل سنہ ۱۰۳۰ع کو چالیس سال کی لگاتار مصروفیتوں کے بعد تریسٹھ برس کی عمر میں ہمیشہ کے لیے اس دارفانی سے کوچ کر گیا۔

آخری مرحلہ

خواجہ حافظ رح کا مقولہ،
"سخت می گردد جہاں بر مردمان سخت کوش"

محمود پر صادق آتا ہے۔ روایت ہے کہ مرنے سے دو دن پہلے محمود کو جب زندگی کی آس نہ رہی تو حکم دیا کہ تمام اموال و نفائس خزانے سے نکال کر محل شاہی کے صحن میں جمع کئے جائیں۔ سلطان کی آنکھیں ڈبڈبائی ہوئی تھیں۔ اس نے حسرت سے ہر چیز پر نظر ڈالی اور جواہرات کو بدستور اپنی جگہ رکھوا دیا۔ حیف ہے کہ اس موقع پر بھی اس کا ہاتھ نہ اٹھا جو ان میں سے کوئی چیز کسی کو انعام یا خیرات دے دیتا۔ دوسرے دن پالکی میں سوار ہوکر تمام گھوڑوں ہاتھیوں اور اونٹوں کا معائنہ کیا۔ دیکھ کر جی بے اختیار ہو گیا اور ایسا رویا کہ ہچکیاں بندھ گئیں [۳۷]۔ لیکن محمود جیسی زبردست ہستی کو اس کے آخری لمحات سے جانچنا نامناسب ہے۔ غالباً آہستہ آہستہ گھلانے والے مرض نے اس کو اس قدر بودا بنا دیا کہ حسب عادت مرتے وقت وہ اپنی انسانی کمزوریوں پر غالب نہ آ سکا۔ ممکن ہے کہ

[۳۷]—یہ واقعہ فرشتہ سے لیا گیا ہے۔ جس کا بیان ہے کہ محمود نے "ایڑیاں رگڑ رگڑ کر نہایت حسرت و یاس کے ساتھ" جان دی۔ مگر یہ معلوم کرنا دشوار ہے کہ اس کا اصلی ماخذ کیا ہے۔ ممکن ہے تاریخ بیہقی کے گم شدہ حصے میں اس کا ذکر ہو۔ بہر کیف اس میں کوئی خلاف عقل بات نہیں ہے۔ گھلانے والی بیماریوں کے اکثر ایسے ہی اثرات ہوتے ہیں۔

اس کا دنیادار قلب ، جو اس زمانے کی مذہبی جکڑبند سے ایک گونہ آزاد اور فلسفے کی گہرائیوں کو نہ پہنچا تھا ، عاقبت کے خوف سے لرز گیا ہو اور اس میں یہ حوصلہ باقی نہ رہا ہو کہ وہ ہندوستان کے جنگلوں کی طرح اس نئی دنیا میں بھی دڑّاتا ہوا گھس جاتا جو ہر لحظہ اس کو قریب ہوتی نظر آتی تھی - انسان کا اندازہ اس کی طرز زندگی سے کیا جاتا ہے نہ کہ طریق موت سے - یہ تیس معرکوں کا فاتح آخرکار وفات کے چند ہفتے بعد اپنے سرداروں کے ہاتھوں غزنین کے محل میں دفن ہوا اور اس طور پر دنیا کے ایک زبردست حکمراں کی زندگی کا خاتمہ ہوا -

---

باب سوم

محمود کے کارنامے کی نوعیت اور اہمیت

سب انسان کم و بیش اپنے ماحول سے متاثر ہوتے ہیں - اِس لیے قبل اِس کے کہ محمود کے کارنامے پر صحیح طور سے تبصرہ کیا جائے، اُس زمانے کی عام روش پر غور کرنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے -

اکثر مسلمانوں کا خیال ہے کہ اسلام ہمیشہ سے ایک ہی حالت پر ہے - بعض افسوس کے ساتھ اِس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ خلفاے راشدین کے عہد سے اسلام مسلسل طور پر بتدریج رو بہ تنزل ہے - یہ خیال اصل میں درست نہیں ہے - اور مذاہب کی طرح اسلام میں بھی دینی ترقی و تنزل کے متعدد دور ہوے ہیں - مختلف زمانوں میں مختلف لوگوں نے اِس کے متعلق مختلف رائیں قائم کی ہیں - اسلام بھی تمام حقیقی انسانی معاملات کی طرح تبدیل ہوتا رہا ہے اور کبھی مستقل طور پر یکساں حالت میں نہیں رہا - ہماری بحث یہاں صرف اسلامی دنیا کے بڑے بڑے تغیرات سے ہے جو ابتداے اسلام سے اسلامی ایشیا کی چنگیز خانی فتوحات تک چار حصوں میں تقسیم کئے جاسکتے ہیں :—

۱— ترقی کا دور (سنہ ۶۲۲ع تا سنہ ۷۴۸ع)، جس میں خلفائے راشدین اور ان کے اموی جانشینوں کے عہد میں عرب، عراق، شام، ایران اور شمالی افریقہ کی فتح شامل ہے - یہ دور پر جوش مذہبی سر گرمی کی وجہ سے ممتاز ہے، اور اِس عہد میں اسلام کی پر اثر دعوت نے مفتوح قوموں کے مفلوک الحال طبقوں کو اپنی طرف مائل کرلیا تھا -

۲— خلافت عباسیہ کا دور (سنہ ۷۴۸ع تا ۹۰۰ع)، امن اور فارغ البالی کا زمانہ ہے مگر ملک گیری کے کارناموں سے خالی ہے - اِس عہد کی خصوصیت ایک ہمہ گیر تہذیب ہے- جس کی وجہ سے تمام ممالک کے تعلیم یافتہ طبقے کی زبان عربی ہوگئی - اور مرکزی حکومت کے استحکام نے اسلامی دنیا کا شیرازہ بکھرنے نہ دیا -

۳— چھوٹی خاندانی حکومتوں کا دور (سنہ ۹۰۰ع تا سنہ ۱۰۰۰ع)، یہ اصل میں انقلاب کا زمانہ ہے - اِس میں خلیفہ کی حکومت نیست و نابود ہو کر چھوٹی چھوٹی بادشاہتیں قائم ہو جاتی ہیں - اِس عہد کی نمایاں خصوصیت ایران کی ادبی نشاۃ جدیدہ ہے جس کی وجہ سے تعلیم یافتہ طبقوں کی زبان بجائے عربی کے فارسی ہوگئی، اور عباسیوں کی عالمگیر خلافت کی جگہ ایک جدید شہنشاہی کا آغاز ہوا -

۴—ترکی ایرانی سلطنتوں کا دور (۱۰۰۰ء تا ۱۲۲۰ء)، یہ زمانہ ایرانی نصب العین کے سیاسی پہلو کو روشن کرتا ہے۔ اس میں غزنویہ، سلجوقیہ، اور خوارزمیہ خاندانوں کی حکومتیں شامل ہیں۔

ایران کی ادبی نشاۃ جدیدہ

محمود چھوٹے بادشاہوں، میں کا آخری تاجدار اور ترکی ایرانی شہنشاہوں میں کا پہلا شہنشاہ تھا۔ اُس کی اور اُس کے معاصرین کی زندگیوں کو جس چیز نے اُبھارا تھا وہ اسلام نہ تھا بلکہ ایران کی ادبی نشاۃ جدیدہ تھی۔

محمود غزنوی کے عہد میں مذہبی سرگرمی تقریباً ناپید ہوچکی تھی اور جو کچھ تھی وہ دینی مسائل کی بحثوں نے فرقہ وارانہ جنگ کی طرف منتقل کردی تھی۔ اِن مباحث کی کثرت اُس وقت ہوتی ہے جب مذہب بے جان ہوجاتا ہے۔ لوگ جب خدا پر اعتقاد رکھنا دشوار سمجھنے لگتے ہیں تو اُس کو دلائل سے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اِسی طرح جب وہ اپنے ہمسایہ سے ترک محبت کردیتے ہیں تو اپنے نفس کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ اُس سے نفرت کرنا اخلاقی فرض ہے۔ اِس دور میں 'ملاحدہ' کا قلع قمع کرنا اِس قدر دل چسپ تفریح طبع کا سامان تھا کہ اس کی خاطر اشاعت و تبلیغ اسلام کو خیر باد کہ دیا گیا۔ اسلامی دنیا مشرق سے لےکر مغرب تک فرقہ وارانہ جھگڑوں کی وجہ سے پاش پاش ہوگئی تھی، اور اُن لوگوں کا ناحق خون بہایا جاتا تھا جو تعصب کے جوش میں تو بےقرار مگر مذہب سے بے بہرہ تھے۔ ایران کے تیز

فہم دماغ اِن میں میخ نکالنے والے مولویوں کی جنگ سے پناہ لےکر اپنی قومی تہذیب کو از سرنو زندہ کرنے کی طرف متوجہ ہوے - خلافت کے زوال پر جو چھوٹی خاندانی حکومتیں قائم ہوگئی تھیں اِنھوں نے اُن کو وہ حفاظت اور سر پرستی بہم پہنچائی جس کے وہ ضرورت مند تھے - ہر صوبے کا دربار ایک تجدیدی تحریک کا مرکز بن گیا - قدیم ایرانی روایات کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر از سرنو رواج دیا گیا - فارسی نے جو عوام کی بولی ہونے کے لحاظ سے متروک ہوچکی تھی، اب قومی زبان ہونے کا رتبہ حاصل کرلیا - ایک ایسی زبان میں، جو سخت سے سخت ردیف و قافیے کے قیود کی بآسانی متحمل ہوسکتی تھی، ہر شخص جو ذرا شد بد جانتا تھا شعر کہنے لگا، اور معمولی استعداد کے شعرا کو ناموری کے خواب نظر آنے لگے - اِس کے علاوہ کیانی اور ساسانی شہنشاہوں کی گذری ہوئی شان و شوکت اور اُس کی دلفریب خیالی تصویر نے تخیل پسند دماغوں پر رفتہ رفتہ ایسا تسلط کیا کہ وہ قطعی طور پر پیغمبر خدا کی راہ سے بے راہ ہوگئے - لیکن یہ انقلاب لاعلمی میں ہوا جس طرح یورپ میں ازمنۂ وسطیٰ کے علما فلسفۂ ارسطو کو توریت کے احکام عشرہ کی تفسیر خیال کرتے تھے - محمود کے معاصرین بھی اصول قرآن اور شاہنامے کے اسباق میں کوئی فرق نہ سمجھتے تھے - جو عظمت سچے مسلمانوں کو رسول خدا اور صحابۂ کرام کی کرنی چاہیے تھی وہ یہ نئی پود فریدون و جمشید، کیکاؤس و کیخسرو، رستم پہلتن اور اسکندر مقدونی کی کرتی تھی - رسول خدا صلعم اور صحابۂ کرام تو چند اصولوں کے علمبردار

تھے جن کی اشاعت میں وہ جنگ تک کے لیے کمربستہ ہو جاتے تھے - مگر ایران کے ان حکایتی مشاہیر نے اپنے پرستاروں کے دلوں میں محض شان اور ایک باجبروت شہنشاہی کی ہوس پیدا کردی ' جس کا کوئی اخلاقی مقصد نہ تھا - اور اس کے ساتھ ہی دنیاوی ہوشمندی کا سبق ان کے ذہن نشین کردیا ' جیسا کہ گلستان سعدی نے بعد کی نسلوں کے بچوں کو سکھایا - اس دانائی کا مطمح نظر سراسر خودغرضی سے ملوث اور اعلی مقاصد سے نا آشنا تھا -

محمود کا ورود

اِس نئی روح نے ایک طرف تو ایک نئی تہذیب کے ارتقا میں مدد دی اور رزم و بزم دونوں میں نفاست و خوشنمائی کا ماحول پیدا کردیا ' اور دوسری جانب ایک لا حاصل اور فضول لڑائیوں کے دور کا آغاز کیا جن کی بدولت مقامی حکمراں ' باغی عہدہ دار ' قبیلوں کے سردار ' حتیٰ کہ من چلے ڈاکو بھی سکندر اعظم کی غیر مستقل عظمت تک پہنچنے کی توقع کرنے لگے - ترکوں کی جنگجو فطرت کا خدا بھلا کرے جس نے لڑائی کو کھیل اور مردانگی کی صفت بنادیا ' بجائے اس کے کہ حصول امن کا تکلیف دہ ذریعہ سمجھی جاتی - محمود سے ایک صدی پیشتر تک ' چھوٹی خاندانی حکومتوں ' کا فرمانروا اپنے آپ کو جمشید اور کیخسرو سے کم نہیں سمجھتا تھا - درباری شعرا ان کی تعریف و توصیف میں بڑھا چڑھا کر وہ وہ قصائد لکھتے کہ جن کو سن کر اہل خرد خفت محسوس کریں - اس کا ان کو بیش بہا معاوضہ ملتا تھا - ان کے جانشین محمود اعظم نے وہ سب کچھ کر دکھایا جس کے لیے اُنھوں نے بے فائدہ

آپس میں لڑ کر جانیں دیں - اس نئے سکندر کی شخصیت کے آگے ان سب بادشاہوں اور حکمرانوں کو عجز و انکسار سے سرنگوں ہونا پڑا - لیکن اس کر و فر کے باوجود اخلاقی اعتبار سے یہ دیو بھی اسی قماش کا تھا جس کے وہ بَونے تھے جو پہلے گزرے تھے - یہ محمود کی حسن صورت نہیں بلکہ لیاقت تھی جس نے اس کو اوج کمال پر پہنچا دیا -

علم و فن کا سرپرست

محمود ایران کی ادبی نشاۃ جدیدہ کا اگرچہ زیادہ نکتہ سنج نہ سہی لیکن عظیم‌الشان مربی ضرور تھا - کم و بیش چار سو شعرا ہر وقت اس کے دربار میں حاضر رہتے - عنصری سب کا سرتاج تھا - ان کا فرض منصبی سلطان کی مدح سرائی تھا - محمود باوجود بخیل مشہور ہونے کے ان کے حق میں بیحد فیاض تھا - غضائری رازی کو جو رے کا ایک شاعر تھا ایک قصیدے کے صلے میں چودہ ہزار درہم عطا کئے گئے - اور ملک‌الشعرا عنصری کا منہ ایک برجستہ قطعہ کہنے پر تین بار موتیوں سے بھرا گیا - منجملہ اور لوگوں کے جو دور و نزدیک سے جمع ہوگئے تھے، فرّخی جس نے دل‌کش بحر میں ایک دلفریب قصیدہ کہا تھا، منوچہری جس کو شراب کا مضمون باندھنے میں یدطولیٰ حاصل تھا اور عسجدی جس نے ذیل کی مشہور و معروف رباعی لکھی ہے، بہت مشہور ہیں [۳۸] -

---

[۳۸]—شعرا کی سوانح عمریوں کی تفصیل اس جگہ درج نہیں کی جا سکتی، نہ ان کے دواوین پر ہی تنقید کی جا سکتی ہے - پروفیسر براون نے A Literary History of Persia جلد دوم کے دوسرے باب میں اور مولانا شبلی نعمانی نے شعرالعجم، کی پہلی جلد میں پرانے تذکروں سے جو کچھ دستیاب ہو سکتا تھا موجودہ طرز بیان میں تحریر کردیا ہے - علاوہ ازیں

از شرب مدام و لاف مشرب توبہ
وز عشق بتان سیم غبغب توبہ
در دل ہوس شراب، بر لب توبہ
زیں توبۂ نا درست یارب، توبہ

یہ امر مسلم ہے کہ سلطان کی سرپرستی نے اوسط درجے کی قابلیت کے لوگوں کی بہت ہمت افزائی کی مگر کسی کامل شخصیت کا دستیاب کرنا اس کے بوتے سے باہر تھا۔ ایسی ہستیوں نے کسی ملک اور کسی زمانے میں بادشاہوں اور جمہور کے آگے جھکنا کبھی گوارا نہیں کیا۔ لہذا محمود کو بھی اس بات کا کوئی الزام نہیں دیا جا سکتا۔ نسل انسانی کو ایسا طریقہ دریافت کرنا ابھی باقی ہے جس کی بدولت وہ اپنی اکمل ترین ہستی سے کام لے سکے۔ فردوسی کے مشہور و معروف افسانے کی جو کچھ بھی اصلیت ہو ہم کو اس سے کچھ بحث نہیں۔ یہ اسی کا دم تھا جس نے قوم پرستی کو ایران کا مذہب بنادیا۔ اس کے متعلق جو یہ روایت ہے کہ وہ افراسیابی (ترکی) خاندان کے شہنشاہ کے پاس سے فرار ہوگیا تھا، اس سے واقعی طور پر یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ ایران کی حساس طبائع پر کس قسم کا غبار چھایا ہوا تھا۔ فردوسی کا سا حشر اور دو اشخاص کی قسمت میں لکھا تھا جو طبائع اور وضع میں بالکل ایک دوسرے سے مختلف تھے۔ مشہور

ملاحظہ کیجئے Studies in Persian Literature مصنفۂ ہادی حسن مطبوعۂ جامعہ ملیہ اسلامیہ علی گڈھ۔ فردوسی کے واقعے پر مولوی عبدالحق صاحب کے رسالۂ اردو میں ایک زبردست تنقید شائع ہوئی ہے۔ اگر اس کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو اس قدیم افسانے کی کل خوبی زائل ہو جاتی ہے۔

حکیم بو علی سینا نے محمود کے دربار میں آنے سے اس وجه سے انکار کردیا که بادشاہ کو اس حکیم کے خیالات اور آزاد خیالی نا گوار هوتی - اس کا نتیجه یه هوا که جس جگه اور جس شهر میں وہ جاتا محمود کے عمّال اس کا تعاقب کرتے یہاں تک که بالآخر وہ رے کے دیلمی بویهیه حکمراں کے هاں پناہ گزیں هوا - برخلاف اس کے اس کا دوست مشهور ریاضی داں ' البیرونی جس کے هندو فلسفے کے مطالعے پر اُس طوفانی دور تعصب ' میں تعجب هوتا هے ' اپنے هم‌عصر کی طرح خوش قسمت نه تها - وہ اپنے وطن خوارزم میں گرفتار هوکر مقید هوگیا اور پھر وهاں سے هندوستان جلاوطن کردیا گیا ' جهاں اس نے سیر و سیاحت کے بعد ' تاریخ الهند ' جیسی غیر فانی کتاب تصنیف کی [۳۹] -

محمود کے زمانے کی شاعری اس دور کے جذبات کا آئینه هے - ظاهر میں تو بهت مرصع اور خوشنما معلوم هوتی هے مگر گهرائی مطلق نهیں هے - صوفیانه خیالات اس وقت تک رائج نهیں هوئے تهے - اور نه غزل جو صوفیانه جذبات کی جان هے ابهی تک دریافت هوئی تهی - شعرا کا خاص مشغله اپنے ولی نعمتوں اور سر پرستوں کی شان میں قصیدے کهنا تها - فردوسی کی ذهانت نے مثنوی کو رائج کر دیا اور اس کے استاد اسدی کو ' مناظرہ ' کی جدت پیدا کرنے کا فخر حاصل هے - مگر یه جدت زیادہ قابل قدر نه تهی اس لیے که مناظرے

---

[۳۹]—البیرونی اور بوعلی سینا کے متعلق چند دلچسپ واقعات ' چهار مقاله ' مصنفهٔ نظامی العروضی السمرقندی میں ملیں گے - (Gibbs Memorial Series) بوعلی سینا کی مختصر سوانح عمری ' حبیب السیر ' میں درج هے -

میں شاعرانہ خیالات کے ادا کرنے کا موقع نہیں ملتا - شعرا دفع الوقتی کے لیے قطعے اور رباعیاں کہا کرتے تھے لیکن اپنی کمزوریوں کے باوجود غزنوی شعرا میں ایک قسم کی تر و تازگی نظر آتی ہے جو بعد کی نسلوں میں مفقود ہے - ان میں کوئی تصنع یا بناوٹ نہیں پائی جاتی - انہوں نے مادی خوشحالی اور فارغ البالی کا لطف اٹھایا تھا اسی لیے وہ زندہ عورتوں کے حسن اور شراب کے دلفریب کیف کی تعریف کرنے کے دلدادہ تھے - ان کے انسانی جذبات کی اصلیت نے ان کو بعد کے دوروں کی بے معنی لفاظی میں پڑنے نہ دیا - ان میں اگر اپنے صوفی جانشینوں کے عمیق خیالات کی کمی ہے تو ہو، کم از کم ان کی شاعری اصل زندگی سے تو تعلق رکھتی ہے - شاعر وہی بیان کرتا ہے جس کو سامعین جانتے اور محسوس کرتے ہیں، خواہ وہ میدان جنگ میں ہتھیاروں کی جھنکار ہو یا محفل عیش میں احباب کے ہم پیالہ و ہم نوالہ ہونے کی خوشی، خواہ مردوں اور عورتوں کے بے تعداد جذبات ہوں جن کی اصلی جاذبیت کو مصنوعی تہذیب نے زائل نہیں کیا ہے، یا پھر وہ سب میں بڑھ کر اپنے محبوب وطن کی شان و شوکت یا رنج و الم کی داستان ہو - اُس زمانے کے تعلیم یافتہ اشخاص کے خیالات اور جذبات کو شعرا اپنے اشعار کا موضوع نہیں بناتے تھے - فارسی شاعری کا وہ دور عظیم جو سعدی رح سے شروع ہوکر جامی رح پر ختم ہوتا ہے ابھی نہ آیا تھا - بایں ہمہ جو کامیابی شعرا کو اپنی عملی ذہانت کی وجہ سے حاصل ہوئی وہ اس سے کہیں زیادہ مستحکم اور پائدار تھی جس کے لیے سپاہیوں نے بیکار یورشیں کیں - محمود کی سلطنت اس

کی وفات کے نو ہی سال بعد خاک میں مل گئی مگر شاہنامہ ہمیشہ کے لیے زندہ ہے -

بسا کاخ کہ محمودش بنا کرد
کہ از رفعت ہمی با مہ ندا کرد
نہ بینی زاں ہمہ یک خشت بر پائے
ثنائے عنصری ماندست بر جائے

ہندوستان میں محمود کا کارنامہ ایک علحدہ بحث کے لیے چھوڑ دیا گیا ہے - اصل میں سلطان ایک وسط ایشیائی بادشاہ تھا - عجم کی تاریخی سر زمین ہی غزنوی امیدوں کا ملجا و ماوی تھی - خلافت کی ہمہ گیر حکومت کا شیرازہ بکھر چکا تھا اور آئندہ کسی تنظیم کی توقع نہ تھی - البتہ چند پشتوں سے لوگ جس چیز کی آرزو کر رہے تھے وہ "جدید شہنشاہی" تھی - اس کا مطمح نظر سراسر دنیاوی اور ایرانی تھا - "شہنشاہی" سے مراد دو باتیں تھیں - اول تو تمام چھوٹے چھوٹے علاقوں کی تسخیر' جس سے وہ تمام اسلامی آبادیاں جو ایرانی تہذیب سے متاثر ہو چکی تھیں ایک واحد مملکت کے دائرے میں آجائیں' دوسرے ایک انصاف پسند اور فائدہ رساں حکومت کا قیام جو اپنے امن اور فارغ البالی کے دور سے رعایا کے ہر طبقے اور فرقے کو مشترکہ حکومت سے مانوس کردے - ان دونوں مقاصد میں سے ایک کی تکمیل جو محمود نے انجام دی' اسی قدر لائق ستایش ہے جیسے کہ دوسرے کی ناکامی' باعث افسوس - غزنوی سلطنت کے عروج نے معاصرین کو سکتے میں ڈال دیا' لیکن وہ اس کے زوال کی تیز رفتاری دیکھ کر اور بھی متحیر ہوئے -

تہذیب، شائستگی، اور علم و ادب کی خوبیوں کے خداداد ذوق کے علاوہ محمود میں جو وصف خاص طور پر نمایاں تھا وہ اس کی سپہ سالاری تھی - جنگ کا جنون حالانکہ روز بروز ترقی کر رہا تھا مگر سلطنت ساسانیہ کے زوال سے اب تک ایرانی سرزمین پر محمود جیسا زبردست قائم نمودار نہ ہوا تھا - سکندر کے کارنامے محمود کے آگے ہیچ ہو گئے - شمال کے وحشی تاتاری جیحون کے اس پار منتشر کردیے گئے، ایران کی 'چھوٹی خاندانی حکومتوں' کا کچومر نکال دیا گیا - اصفہان سے بندیل کھنڈ اور سمرقند سے گجرات تک نامور غزنوی نے ہر ایک دشمن کو زیر کیا اور ہر مد مقابل کو نیچا دکھایا - مفتوحین بھی بز دل نہ تھے وہ بھی مردانہ وار لڑے اور غزنویوں کی طرح جانوں پر کھیل گئے - دونوں میں اگر کوئی فرق تھا تو صرف محمود کے حکیمانہ تخیل کا - راجپوت بے ترتیب غولوں میں بٹے ہوئے تھے - ان کا بچپنے کا سا عقیدہ محض کثرت تعداد میں تھا - برخلاف ان کے محمود کی فوج کو ایک شخص کا حکم ماننا اور اس کی اطاعت کرنا سکھایا گیا تھا - کوڑ مغز تاتاریوں نے اپنی جانیں کھوکر یہ سبق حاصل کیا تھا کہ صرف جواں مردی اور توکل بہ تقدیر سے ترتیب و تنظیم یافتہ افواج کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا - محمود فن سپہ گری سے زیادہ، تدبیر جنگ میں ماہر تھا - غزنین کے تخت پر بیٹھ کر اس کی چیل کی سی آنکھیں مشرق و مغرب کی ہر چیز پر نظر رکھتی تھیں - وہ خوب جانتا تھا کہ کہاں حملہ کرنا چاہیے اور جب حملہ کرتا تو پوری قوت کے ساتھ - اس کے دھاووں کی تیز رفتاری دشمنوں کو حیرت

میں ڈالتی تھی - ایک شخص جو اسی جاڑے میں ملتان کے قرمطیوں کو خوف زدہ کرکے ساتھ ہی بلخ کے تاتاریوں کو شکست دے کر جہلم کے کنارے ایک باغی صوبہ دار کو گرفتار کرنے کے لئے بھی وقت نکال سکتا ہو ' اس کے لیے اپنے دلیر مگر سست قدم معاصرین کے دلوں میں ہلچل مچا دینا کوئی بڑی بات نہ تھی - پھر محمود باوجود اس مردانگی کے بہت ہی محتاط تھا - وہ کبھی ایسے دشمن پر حملہ آور نہ ہوتا جس کو زیر کرنے کی وہ خود میں اہلیت نہ دیکھتا - جس کام میں اس نے ہاتھ ڈالا وہ ناکام نہیں ہوا ' اس لیے کہ اس نے کبھی نا ممکنات کی طرف توجہ ہی نہیں کی - محمود کے ہندوستانی حملے ' جن میں اس کی فوجی لیاقت ' اعلیٰ ترین پیمانے پر نظر آتی ہے ' حزم و احتیاط اور شجاعت کا حیرت انگیز مجموعہ ہیں -

برخلاف اس کے نظم و نسق کے امور سے محمود کو کبھی دلچسپی نہ ہوئی - چنانچہ فوج کی کمان اس نے اپنے ہاتھ میں رکھی اور انتظام مملکت کا کام اپنے وزرا پر چھوڑ دیا - اس کے عمال تھے تو اسی قدر ہوشیار جیسا کہ وہ چاہتا تھا - وہ سخت گیر بھی تھے اور بےرو و رعایت بھی اور کام بھی اپنے فوجی ہم پیشہ وروں کی طرح باقاعدگی اور مستعدی سے کرتے تھے - مگر ان میں اس وسعت نظر کی کمی تھی جس سے وہ اپنے آقا کی فتوحات کو دور اندیشی اور حکمت و تدبیر سے آراستہ کرتے اور مستقل اور مضبوط بنیادوں پر مرکزی حکومت کا نظام قائم کرتے - اِس میں شک نہیں کہ محمود کے وزرا اپنے طریقۂ کار میں ہوشیار بلکہ طاق تھے - لیکن ماہرین نظم و

نسق کی طرح وہ بھی کسی نصب العین سے نا آشنا تھے اور بغیر اعلی نصب العین کے سلطنت کی بنیاد پائدار نہیں ہوتی - حکومت کے ابتدائی دو سال تک محمود کے باپ کا وزیر ابوالعباس فضیح احمد بن اسفرائینی وزارت کا کام انجام دیتا رہا - وہ عربی سے نابلد تھا ' اس لیے اس نے فارسی کو درباری زبان بنا دیا - اِس جدت کو اس کے جانشین نے ترک کر دیا - باوجود کم تعلیم پانے کے ملکی ' سیاسی اور انتظامی معاملات میں ابوالعباس کا علم ایک بحر بے کراں تھا - اتنی واقفیت کی توقع صرف اسی شخص سے کی جا سکتی تھی جو معمولی اہل کار کی حیثیت سے ترقی کرکے اس مرتبے پر پہنچا ہو کہ ملک میں شخصیت کے اعتبار سے اس کا درجہ دوسرا ہو - فضیح احمد کو ملکی اور فوجی امور کے انتظام میں خاص ملکہ تھا - سلطان کا اس سے ایک ترکی غلام پر جھگڑا ہوگیا جس کے سبب سے اس کو علحدہ ہونا پڑا - امرا نے جو دولت کی تاک میں لگے ہوئے تھے بالآخر معزول وزیر کو جلاجلا کر مارڈالا - اس کے جانشین خواجہ احمد بن حسن میمندی نے اپنے معاصرین کے دلوں پر وہ اثر ڈالا جو محمود کے اثر سے بس دوسرے درجے پر ہے - قطع نظر اس سے کہ وہ بادشاہ کا رضاعی بھائی اور ہم سبق تھا - خواجہ احمد کی تمام زندگی خاندان غزنویہ کی بےعذر خیر خواہی میں گذری تھی - مگر اپنے احکام کی جو تعمیل وہ اپنے ماتحتوں سے کرانا چاہتا تھا اس میں خود اس کی وفاداری کسی طور پر حارج نہ ہوتی - سبکتگین نے اس کے باپ حسن میمندی کو جو بُست میں تحصیلدار تھا ایک غبن کے معاملے میں پھانسی پر چڑھا دیا تھا - لیکن

اس افسوسناک واقعے نے بھتیجے کی زندگی پر کوئی اثر نہیں ڈالا - سلطان کے لیے فتوحات کا سلسلہ جاری رکھنا ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہوتا اگر اس کے وزیر کی انتظامی قابلیت شامل حال نہ ہوتی - احمد ایک زبردست عالم ' پرلے سرے کا جوڑ توڑ ملانے والا ' اور معاملات میں سخت تھا اس نے اٹھارہ سال تک حکومت کا کام جس خوبی سے انجام دیا اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا "دو بادشاہ دراقلیمے نہ گنجند" ایک مشہور مثل ہے - ایک زبردست بادشاہ اور ایک زبردست وزیر کا نباہ بھی مشکل تھا - کبھی نہ کبھی بگاڑ کا ہونا لازمی تھا ' گو خواجہ کی شیریں زبانی اور بےلاگ نمک حلالی نے عرصے تک اِس کی نوبت نہ آنے دی - خواجہ احمد کا غیر معمولی عروج لوگوں کی نظروں میں کھٹکتا تھا - سلطان کے داماد امیر علی اور سپہ سالار التون تاش کی سرکردگی میں ایک بڑی جماعت اس کے خلاف قائم ہوگئی - محمود کو بھی یہ بات پسند نہ تھی کہ سلطنت کا کوئی کام بغیر خواجہ کے بخیر و خوبی انجام پاہی نہ سکے - اس نے تہیہ کر لیا کہ وہ خواجہ کے وجود کو سلطنت کے لیے غیر ضروری ثابت کر کے چھوڑے گا چنانچہ اس کو ہندوستان کے ایک قلعے میں مقید کر دیا - اور یہ دکھانے کے لیے کہ اگر ضرورت ہو تو یہ عہدہ ہی توڑا جاسکتا ہے سلطان نے ایک عرصے تک کسی وزیر کا تقرر نہیں کیا - بالآخر اس کی نظر انتخاب احمد حسن بن میکال پر پڑی ' جو عام طور پر حسنک کے نام سے مشہور تھا - یہ نیا وزیر سلطان کے مقرب دوستوں میں سے تھا اور جس قدر اپنی قوت تقریر کی بنا پر

مشہور تھا بدقسمتی سے اسی قدر درشتی مزاج کی وجہ سے بدنام تھا - اس کی کج فہمی تھی جو اس نے محمود کی وفات پر وراثت کے جھگڑے میں غلط راہ اختیار کی اور نتیجہ بھگتا -

مانا کہ ایک وسیع سلطنت بہت سی حکومتوں کو مٹا کر قائم ہوگئی تھی - مگر کس لیے ؟ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ محمود کا انتظام حکومت گذشتہ حکومتوں سے بہتر تھا - بلکہ یہ امر ثابت ہے کہ اس کے زمانے میں زر مالگذاری بہت سختی سے وصول کیا جاتا تھا - ہر شخص کو اس کی شکایت تھی کہ بادشاہ ملک پر ملک فتح کرتا چلا جاتا ہے بلالحاظ اس کے کہ مفتوحہ علاقوں میں ساتھ ہی ساتھ امن و امان بھی قائم کرے - پنجاب کی حالت ناگفتہ بہ تھی ' یہی حال اور صوبوں کا تھا - کاروانوں کے راستے غیر محفوظ تھے اور تجار کی حفاظت کے انتظام کے لیے حکومت کی پے درپے کوششیں خود حکومت کی کمزوری پر دال ہیں - محمود کے بارے میں ایک مسلمان صوفی نے کہا تھا "عجب نادان ہے ' اس بات کی صلاحیت تو ہے نہیں کہ جو موجود ہے اُس کا انتظام کرے اور نئے نئے ملک فتح کرتا چلا جاتا ہے" - محمود منصف مزاج ضرور تھا اور اس کے انصاف کی بہت سی حکایتیں اور داستانیں بھی مشہور ہیں مگر اس کی معدلت گستری صرف اس حد تک محدود تھی کہ چند معاملات جو اس کے سامنے پیش ہوے ان کو اُس نے دانائی سے فیصل کر دیا - جن قزاق سرداروں کے قلعے سلطنت کے مختلف حصوں کے مابین باھمی ربط قائم کرنے میں مانع آتے تھے ' اُن کو مغلوب کرنے کی طرف اُس نے ذرا بھی توجہ نہ کی - پہلے

جس کام کا انتظام چھوٹے بادشاہ بر سر موقع کیا کرتے تھے اب اُس کے انجام دینے کے لیے سرکاری پولیس کا کوئی نظام مرتب نہیں کیا گیا - عہد وسطیٰ کے شہروں اور قصبوں کی مسلح اور منظم آبادیاں بد نظمی کا سد باب کرنے کے لیے حکومت سے صرف تھوڑی سی مدد کی محتاج تھیں مگر اتنا بھی نہ ہوسکا - اگر غزنوی حکومت کا سلجوقیوں اور شاہان دہلی کی حکومت سے مقابلہ کیا جائے تو ظاہر ہوجاتا ہے کہ محمود میں کس عنصر کی افسوس ناک کمی تھی - اُس کے نام سے کوئی قانون اچھا یا برا جاری نہیں ہوا - نہ کوئی مشہور انتظامی حکم اُس کے ذکی الفہم دماغ نے اختراع کیا - محمود کا دماغ سوائے روز افزوں شان و شوکت کے کسی اور اعلیٰ اور برتر چیز کے تصور سے قاصر تھا - مختلف لوگ مثلاً ہندی، افغانی، ترک، تاتاری، ایرانی قوت کے زور سے سلطنت میں شامل ہوگئے تھے مگر سوائے اِس کے کہ ایک بادشاہ کی رعایا ہونے کے لحاظ سے ایک کہے جائیں اور کوئی رابطۂ اتحاد ان کے مابین نہ تھا - ممکن تھا کہ ایک پر مغز، مستحکم اور فائدہ رساں انتظام حکومت کی برکات دیکھ کر وہ اپنی آزادیوں کے سلب ہوجانے کا غم بھول جاتے لیکن محمود یہ کہاں سے مہیا کرتا - سلطنت کے برقرار رہنے میں اگر کسی کو دلچسپی تھی تو صرف سلطان اور اُس کے عمال سلطنت کو - چنانچہ جب محمود کی وفات کے نو برس بعد سلجوقیوں نے اِس کھتراگ کو نکال باہر کیا تو کسی نے اُس کی قسمت پر چار آنسو بھی نہ بہائے -

اِن امور کو مد نظر رکھ کر تاریخ مشرق میں محمود کے

رتبے کا صحیح اندازہ لگایا جاسکتا ہے - محمود "جدید شہنشاہی" کا پیشرو تھا، جس کی بنیاد ایران کی ادبی نشاۃ جدیدہ نے ڈالی تھی - عالمگیر خلافت اسلامیہ کا دور گزر چکا تھا اور خلیفہ ملکی معاملات میں مسلمانوں کا سردار باقی نہ رہا تھا - "چھوٹی خاندانی حکومتیں" دائمی سازشوں اور بےکار لڑائیوں کی وجہ سے بلائے بےدرماں ثابت ہوئی تھیں - اب صرف دنیوی شہنشاہی یا بقول محمود "سلطنت" کے ذریعے ہی اسلامی دنیا کو متحد کرکے امن و امان قائم کیا جاسکتا تھا - اِس جدت پر نہ تو اسلامی نقطۂ نظر سے غور ہی کیا گیا اور نہ اِس کے اخلاقی پہلو کو مذہباً جانچا گیا - اِس کا ماخذ اصل میں قدیم ایران تھا اور وہیں کا الحاد اِس کے خمیر میں تھا - شریعت کو کہ جس کا مطمح نظر سراسر جمہوریت ہے، زمانے کی ضروریات کے لحاظ سے ہموار کرلیا اور اُس سے یہ بات نکالی کہ بادشاہ وقت کی اطاعت فرض ہے - اِس طور پر بادشاہ "ظل الٰہی" کی آڑ میں ساسانی شہنشاہوں کی طرح "خدائی عظمت" کا مستحق قرار پایا - اِس کا نتیجہ اچھا بھی ہوا اور برا بھی - وہ احساس حریت جو مسلمانوں کی معاشرتی زندگی میں باوجود مخالف اثرات کے برقرار رہا ہے ایک سرے سے سیاسیات سے غائب ہوگیا، اور سیاسی غلامی کو مصلحت وقت اور حکمت عملی سے بڑھ کر مذہبی فرض کی اہمیت دیدی گئی - ابوالفضل چھ سو برس کی عقلمندیوں اور حماقتوں کا خلاصہ کرتے ہوئے کہتا ہے "بادشاہوں کی اطاعت مثل عبادت الٰہی کے ہے" - لیکن ساتھ ہی اِس کے شہنشاہی نظریہ اور سیاسیات پر دنیوی رنگ چڑھنے سے فائدہ بھی ہوا -

عجم کے لوگ باوجود نسلی اور مذہبی اختلافات کے ایک بادشاہ کے مطیع و فرماں بردار ہونے سے متحد ہوگئے - اس کے علاوہ چونکہ مذہب بادشاہ کی ذات سے تعلق رکھنے لگا اور سلطنت کا دائرہ رعایا کے دنیوی معاملات تک محدود ہوگیا' اس لیے مسلمانوں اور غیر مسلموں کا مل جل کر رہنا بھی ممکن ہوگیا -

محمود غزنوی کو اسلامی شہنشاہوں میں پیش رو ہونے کا فخر حاصل ہے' اور مسلمانوں میں ' شہنشاہی ' کو رواج بھی سب سے زیادہ اسی نے دیا - یہ کہ محمود کے جانشین تدبیر مملکت میں اُس سے زیادہ لائق تھے یا غزنوی خاندان سے زیادہ پائدار خاندان بعد میں حکمراں ہوئے' محمود کے اعزاز میں کوئی فرق نہیں ڈالتا - یہ صحیح ہے کہ بہ لحاظ حکمرانی' ایران کے سلجوقی اور سلاطین دہلی اور فاتحانہ قوت میں' چنگیز اور تیمور' محمود سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھے - مگر پیشرو میں کمزوریاں ہونی لازمی ہیں - محمود کی وسط ایشیائی حکمت عملی تدبر سے کوسوں دور تھی اور اُس کا ہندوستانی کارنامہ اِس سے بھی گیا گزرا ہے -

حالانکہ ہندوستان میں محمود کا بہت سا وقت صرف ہوا مگر ہندوستان میں حکومت کا خیال اُس کو خواب میں بھی نہ آتا تھا - اُس کا مقصد ایک ترکی ایرانی سلطنت قائم کرنا تھا اور ہندوستان کی مہمیں اِس کا ذریعہ تھیں - ان کی بدولت محمود کو مجاہد کا رتبہ حاصل ہوگیا - اسی کی اُس کو ضرورت تھی تا کہ عجمی بادشاہوں میں اُس کی حیثیت نمایاں ہو جائے - ہندوستان کے مندروں کی دولت نے اس کے ملک کی اقتصادی حالت کو مستحکم کردیا اور اس کو ایک

ایسی فوج فراہم کرنے کے قابل بنادیا جس کا مقابلہ چھوٹے خاندانی بادشاہ نہ کرسکتے تھے - محمود اپنی قوت کے حدود جانتا تھا - اس نے آگے بڑھنے کی کبھی کوشش نہیں کی - جہاں فتح کا امکان نہ تھا محمود نے اُس کا رخ ہی نہیں کیا - ایسے ملک میں اسلامی حکومت قائم کرنا جہاں پشت پر اسلامی رعایا کی مدد نہ ہو عملی سیاسیات کی رو سے بعید تھا - محمود اتنا نادان نہ تھا کہ ایک مخالف آبادی کو تلوار کے زور سے قابو میں رکھنے کے لیے اپنی فوج کو برباد کرتا - وہ نہ مبلغ دین تھا نہ مذہب تبدیل کرانا اُس کی غرض و غایت تھی وہ تو صرف دولت کا طلب گار تھا - محمود ہندوستانی صنعت کے صدیوں کے اندوختے کو سمیٹ کر لے گیا اور ہندوستانیوں کے لیے دوبارہ بہتر سے بہتر تعمیر کرنے کو شکستہ شہر پناہیں اور دیوتاؤں کی منہدم قربان گاہیں چھوڑ گیا - ناموری اور روپیہ جن کا وہ ضرورت مند تھا اس کو حاصل ہو گئے - اور وہ کسی چیز کا آرزو مند نہ تھا - انہلوارہ میں ایک خیال موہوم کے سوا محمود نے کبھی ہندوستان میں حکومت قائم کرنے کا خیال بھی نہ کیا - اسے ملک گیری کی کوئی خواہش نہ تھی - خود پنجاب کو اتنی مدت گذر جانے کے بعد سنہ ۱۰۲۱—۲۲ء میں سلطنت میں شامل کرنا اِس پر دلالت کرتا ہے کہ اس کا منشا الحاق نہ تھا - اول اول تو اس کو توقع تھی کہ انند پال سے اتحاد کر کے وہ گنگا کے میدان میں داخل ہو سکے گا - مگر موخرالذکر کی موت سے وہ اتحاد ٹوٹ گیا اور محمود کو ملک میں کسی نہ کسی جگہ پاؤں جمانے کی ضرورت محسوس ہوئی - بایں

همه وه لاهور اور ملتان کو همیشه قزاقوں کے ٹھکانے هی سمجھا کیا - جہاں سے وه هندوستان اور گجرات پر جب چاهتا حمله‌آور هو جاتا - بر خلاف اس کے محمود کی مغربی مہمیں ایک اور حکمت عملی کا ثبوت دیتی هیں - ان کی غایت همیشه الحاق تھی اور اکثر و بیشتر محمود مفتوحه علاقوں پر اپنی حکومت قائم کرنے کا خود انصرام کرتا تھا -

محمود کے هندوستانی حملے فوجی کمالات کے بہترین کارناموں میں شمار کئے جاتے هیں - محمود ایک اجنبی ملک میں قدم رکھ رها تھا جہاں بیشمار بڑے بڑے دریا اور گھنے جنگل تھے ' جہاں کے لوگ حد سے زیاده متعصب تھے ' نه جن کی زبان سے وه واقف تھا نه رسوم سے - کسی اور شخص کے لیے تو یه اندھے کنویں میں جانے کے برابر هوتا - محمود جو جان بوجھ کر خطروں میں نه پڑتا تھا ' نہایت هوشیاری سے ایک جگه سے دوسری جگه بڑھتا - جس قدر اس کی دلیری اور حزم و احتیاط لائق ستائش هے اسی قدر اس کے ماتحتوں کی بے خوف جرأت و شجاعت قابل داد هے - ذرا سی لغزش کا ناگزیر انجام تباهی هوتا اور صرف ایک شکست سے اس کی غیر منتظم افواج لوگوں کے رحم و کرم پر هوتیں - اول اول تو اس نے اپنے مستقر سے دس باره منزلوں سے زیاده بڑھنے کی جرأت نه کی - البته بھیره پر قابض هوکر وه بآسانی دشمن پر حمله آور هونے کے قابل هوا - احتیاط کا نتیجه کامیابی هوا اور کامیابی نے وقار قائم کردیا - محمود نے جب دیکھ لیا که اُس کا محض نام دشمنوں کو خوف‌زده کر سکتا هے تو بیدھڑک هوکر تین دفعه گنگا کے میدان میں حمله‌آور هوا اور چوتھی بار گجرات

پر - محمود کے حملے دیکھنے میں فاتحانہ یورشیں معلوم ہوتی ہیں مگر حقیقتاً خطروں سے پر تھے - پریشان حال ہندوستانیوں کے جوش کو ابھارنے کے لیے صرف ایک نا مکمل لڑائی کافی تھی - ایسے موقع پر ان کی بے شمار فوجیں میدان جنگ میں جمع ہو جاتیں - سنہ ۱۰۱۹—۱۰۲۰ء کا ذکر ہے کہ محمود نے دار الخلافہ سے روانہ ہوکر تین ماہ مسلسل سفر کرنے کے بعد جب کالنجر کے زبردست راجا کو مد مقابل پایا تو وہ بہت ڈرا - لیکن رات کے وقت راجا کے فرار ہونے سے واضح ہوگیا کہ سلطان کا خوف کس درجہ غالب تھا - بایں ہمہ محمود کو مندروں کی دولت حاصل کرنی تھی تو خطرے میں پڑنا بھی لازمی تھا، اور ملک کی بتدریج تسخیر اس کے بس کی بات نہ تھی - نتیجے نے ظاہر کر دیا کہ محمود نے صورت حال کے سمجھنے میں کہیں غلطی نہیں کی اور وہی کیا جو کیا جا سکتا تھا -

راجپوتوں کی طوائف الملوکی

محمود کو اپنے ہندوستانی حریفوں پر جو فوقیت تھی وہ زیادہ تر غزنوی سلطنت کے وحدیہ نظام کی وجہ سے تھی - غزنین کی کل کائنات ایک ذات واحد کے اختیار میں تھی - بر خلاف اس کے ہندوستان کی قوت رایوں، چھوٹے چھوٹے راجاؤں، دیہی سرداروں اور گاؤں کے مقدموں کے جم غفیر میں منقسم تھی - یہ ہمیشہ ایک دوسرے سے بر سر پیکار رہتے تھے اور ان کے درمیان کسی معقول اتحاد کا ہونا ممکن نہ تھا - مختلف لوگوں کی فرمانبرداری، فرقہ بندی اور مقامی آزادی کا شوق نظام جاگیری کا لازمہ ہیں - یہ راجپوتوں کے حق میں بہت

مضر ہوا - اس کے باعث وہ ایسے دشمن کے مقابلے میں جو جاگیری اور فرقہ بندی دونوں سے نا آشنا تھا بے بس و ناچار ہوگئے - غزنوی جس آقا کی اطاعت کرتے تھے اس کو جانتے بھی تھے، راجپوتوں کے ہاں کوئی آقا ہی نہ تھا، اطاعت کس کی کرتے؟ لاہور کے راجا کو خود اس کے ماتحت راجا نہیں گردانتے تھے - وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ محض صوبہ داروں کی حیثیت سے رہیں اور بجائے اِس کے کہ ایک قومی ہیرو کی سرکردگی میں غنیم کا مقابلہ کرتے انھوں نے اپنی خود سری کا خمیازہ اُٹھایا اور ایک ایک کر کے غزنویوں سے مغلوب ہوگئے - اگر نو وارد دشمن کا کامیابی سے مقابلہ کرنا منظور تھا تو ایک اندرونی انقلاب کی بھی قطعی ضرورت تھی تاکہ ملک کی دفاعی قوت ایک مرکزی طاقت کے ہاتھ میں آجاتی - مگر زمانۂ دراز کی رسوم و روایات نے مصالح کے ہاتھ سن کر دیے تھے - راجپوتوں کے قبائلی جھگڑوں، جاگیروں فوجی قواعد اور مقامی حقوق کی پیچیدگیوں نے ان کو اس قابل نہ رکھا تھا کہ میدان جنگ میں اپنی پوری قوت کے ساتھ جمع ہوسکیں - مندر پر مندر لوٹے گئے، ہندی تہذیب کے سرچشمے برباد کردیے گئے - مگر نہ برہمنوں کی عقل و دانش، نہ راجپوتوں کی شجاعت، اور نہ لاکھوں بے زبانوں کی عقیدتمندانہ دعائیں ہی اپنے سونے چاندی کی مورتوں کو غزنوی سکوں میں ڈھلنے سے بچا سکیں - ہندوستانیوں میں جنگجو طبائع کی کمی نہ تھی اور ان کا ملک اور مذہب ان کی عقیدت کا پورے طور پر مستحق تھا - انھوں نے مسلمانوں سے دل کھول کر مقابلہ کیا اور کٹ کٹ مرے -

سومناتھ کے قتل عام کے علاوہ ہندی شجاعت کی اور بھی بیشمار مثالیں ہیں، جن سے یہ واضح ہے کہ ایک عمدہ سرداری نے کیا سے کیا کر دکھایا ہوتا اور یہ بھی ثابت ہوگیا کہ انتہائی ناامیدی اور حسرت و یاس کے موقع پر بھی ہندوستانی اِس کو نہیں بھولتا کہ کیونکر مرنا چاہیے - لیکن معاشرتی اور سیاسی رسوم نے ہندوستانیوں کو معطل کر دیا تھا اور بدقسمتی سے رسم ہمارے ہاں کوئی فروعی شے نہیں بلکہ مذہب کا جوہر ہے -

سلطان محمود نے اس بد نظمی کی حقیقت سے واقف ہوکر اس سے فائدہ اٹھانے میں کبھی دریغ نہ کیا - ابتدا میں تو وہ کسی قدر مشتبہ تھا لیکن ویہند کے مقام پر جب اس نے یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ کیونکر ایک ٹڈی دل غول قبل اس کے کہ ہنگامۂ کارزار گرم ہوا ہو فرار ہو گیا، تو اس کو یقین ہو گیا کہ ہندوستانی جمعیت ایک قالب بے جان ہے جس سے وہ ناحق خوف کھاتا تھا - محمود اور اُس کے باپ سبکتگین نے بڑی غور و پرداخت کے بعد غزنوی فوج کو تیار کیا تھا - قاعدوں کی سختی کے ساتھ پابندی، برسوں کی جنگی رفاقت، گزشتہ فتوحات کی یاد، اور آئندہ لوٹ اور غارت گری کی امید نے ہندوستانیوں، افغانوں، ترکوں اور ایرانیوں کو متحد کر دیا - تربیت و تعلیم نے اعتماد پیدا کیا - اعتماد نے کامیابی کا راستہ دکھایا - اور سب میں بڑھ کر ہر چیز کو خود محمود کی معاملہ فہمی اور قوت ارادی کے حوالے کر دینے سے فوج میں وہ زور آگیا کہ فرقہ بندی کے پابند مخالفین اس کے مقابلے کی تاب نہ

اسکے - محمود حیرت زدہ راجاؤں کے درمیان بجلی کی طرح کوند گیا اور قبل اس کے کہ وہ متحد ہوسکیں ان کو ایک دوسرے سے علحدہ کرکے باری باری سے سب کا صفایا کر گیا - یہی وجہ تھی جو اس کو کوئی روک نہ سکا - آیا ، لوٹ مار کی اور چلا گیا - اسلامی فتوحات سے ہندی قلوب پر ہیبت طاری ہوگئی - اور خیال کیا جانے لگا کہ مسلمان ہمیشہ کامیاب ہوں گے اور آریاورت کی مقدس سر زمین کو ہندوؤں کی نئی نسل دائمی خوف و ہراس کی حالت میں رکھے گی - اس سے زیادہ اصلیت سے بعید اور کیا ہو سکتا تھا ، کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ محمود غزنوی ہندوستان میں قیام کی غرض سے نہیں آیا تھا -

حملوں کی اقتصادی اغراض

جس نقاد نے اس زمانے کی خصوصیات پر عبور حاصل کر لیا ہے اُس پر اِن حملوں کا غیر مذہبی رنگ بخوبی روشن ہو جائے گا - یہ جہاد نہ تھے بلکہ دنیوی مہمیں تھیں جو ناموری اور دولت کی حرص کی وجہ سے کی جاتی تھیں - اِن کو مذہبیت پر محمول کرنا ممکن نہیں - غزنوی فوج ، مجاہدین کا اجتماع نہ تھا ، جو مذہب کی خاطر لڑنے مرنے پر آمادہ ہوتے ، بلکہ تربیت یافتہ ماہرین فن کی بھرتی شدہ تنخواہ دار فوج تھی ، جو ہندو مسلمانوں سے یکساں لڑنے کی عادی تھی - آخر کے صرف دو حملوں میں رضاکاروں کا وجود پایا جاتا ہے ، وہ بھی اس قدر قلیل تعداد میں کہ افواج باقاعدہ کے مقابلے میں جن کا شمار فضول ہے - علاوہ ازیں تیز گامی اور باقاعدگی کے ساتھ دھاوے مارنے میں وہ محمود کے کام کے نہ تھے - سلطان

میں بھلا جمہوری ہندو بلاذے کی کہاں صلاحیت تھی کہ وہ جوش مذہبی سے لبریز افواج کی کمان اپنے ہاتھ میں لیتا۔ محمود نے کبھی اس کام کا بیڑا بھی نہ اٹھایا [۴۰]۔ نہ محمود میں تبلیغ اسلام کا ولولہ تھا جو وہ بے شمار "بہشت نصیب" ارواح کی قسمت پر غم کے آنسو بہاتا یا ہندوستان کو دین محمدی کی اشاعت کے لئے موزوں مقام سمجھتا، اس کا نصب العین بہت ہی حقیر اور سہل الحصول تھا۔ محمود کافروں کا مال و متاع لیتا ہی بہت سمجھتا تھا۔ اس نے لوگوں کو تبدیل مذہب پر کبھی مجبور نہ کیا اور ہندوستان کو بعینہ اسی حالت کفر میں چھوڑا جس میں پایا تھا۔

مندروں کی دولت

مدت دراز سے ہندوستان کی برآمد، درآمد کے مقابلے میں زیادہ تھی اور بیش قیمت جواہرات وقتاً فوقتاً ملک میں جمع ہو گئے تھے مختلف صوبوں میں کانیں بھی کھودی جاتی تھیں۔ زر و نقرہ کی روز افزوں کثرت تھی۔ جس کے باعث ہندوستان دولت میں شہرۂ آفاق ہو گیا تھا۔ محمود کے زمانے میں یہ ایک اہم قومی خطرے کا سبب ہو گیا تھا۔ علاوہ ازیں پشتہا پشت سے عقیدت مند ہندو ملک کی دولت کو مندروں میں منتقل کرتے چلے آتے تھے۔ کسان کی تھیلی یا راجا کے خزانے میں سے تو خرچ ہونے کا امکان بھی ہو سکتا تھا مگر مندر میں جو

[۴۰]—یہ امر قابل لحاظ ہے کہ محمود نے اگر اپنے سپاہیوں کی سی سخت زندگی بسر کی ہے تو شاذ و نادر ہی، کیونکہ اس قسم کی حرکت "شاہی جدید" کے رتبے سے گری ہوئی ہوتی۔

ایک بار آگیا اس میں سے تخفیف ناممکن تھی - کلیسائے روم کی طرح ہندوستانی مندروں میں بھی کسی طاقتور من چلے کو مال و دولت کے تصرف بیجا سے باز رکھنا ممکن نہ تھا - ایسی حالت میں محمود جیسے حریص آدمی سے بھلا یہ کب توقع ہو سکتی تھی کہ وہ محض اسلامی مذہبی رواداری کی خاطر ان بیش بہا خزانوں کو چھوڑ دیتا، خصوصاً جب کہ ہندوستانیوں نے ملک کی دولت کو چند مخصوص مقامات پر اکٹھا کرکے اس کا کام ہلکا کر دیا تھا - اس کے معاصرین کے نزدیک دشمن کی عبادت گاہ کو برباد کرنا جنگ کا فعل جائز خیال کیا جاتا تھا اور یہ شکست کا بدیہی نتیجہ ہوا کرتا تھا - محمود کے ہندو غنیم اس کی حرکات دیکھ دیکھ کر مشتعل ضرور ہوتے تھے مگر ان کو تعجب نہ ہوتا تھا - وہ جانتے تھے کہ اس کی اغراض اقتصادی تھیں مذہبی نہ تھیں، اور یہ نہیں تھا کہ وہ ان کے مندروں کو نہ چھوڑتا بشرطیکہ کوئی معقول معاوضہ پیش کیا جاتا - اس نے ان سے وہ دولت تو بےشک چھین لی جس کو وہ جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے - لیکن ان کو ایسا مذہب قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا جس پر ان کا اعتقاد نہ تھا - اس کے ہندوستانی سپاہیوں کو دارالسلطنت غزنین میں سنکھ بجانے اور بتوں کی پرستش کرنے کی مکمل آزادی تھی - مذہبی رواداری کا اصول جس محدود شکل میں اس وقت رائج تھا محمود بھی اس کا قائل تھا - محمود کو یہ الزام دینا کہ وہ اپنے ماسبق یا آئندہ پشتوں کے اخلاقی معیار تک نہ پہنچ سکا عبث ہوگا -

غزنوی افواج نے جس طرح جان بوجھ کر مندروں کو غارت

اور برباد کیا اس پر نہ تو کسی سچے مورخ اور نہ کسی مسلمان کو، جو مذہب سے واقف ہے، پردہ ڈالنے یا اس کو جائز ٹھہرانے کی کوشش کرنی چاہیے - ہم عصر اور بعد کے مورخین دونوں ان افعال قبیحہ کو چھپانے کی مطلق کوشش نہیں کرتے بلکہ ان کو فخریہ بیان کرتے ہیں - اپنے ضمیر کو مرضی کے مطابق موڑ توڑ لینا نہایت آسان ہے اور ہم یہ بخوبی جانتے ہیں کہ ایک کام کو جو محض دنیوی اغراض سے کیا جائے مذہبی جامہ پہنانا کتنا سہل ہے - اسلامی نقطۂ نظر سے نہ تو محمود کی بربریت اور نہ اس کی لوٹ اور غارت گری ہی جائز تھی - شریعت کا ایک بھی اصول ایسا نہیں جو ہندو راجاؤں پر محمود کے خواہ مخواہ حملے کو جائز ٹھہرائے جب کہ انہوں نے اس کو کوئی نقصان نہ پہنچایا تھا - عبادت گاہوں کو بری طرح تباہ و برباد کرنا ہر مذہب میں مذموم خیال کیا جاتا ہے - مگر باوجود اس کے پھر بھی اسلام کو سندھ میں پیش کیا جاتا ہے کہ جو کچھ ہوا اسلام کی وجہ سے ہوا، حالانکہ اسلام نے کبھی اس خیال کی حوصلہ افزائی نہیں کی - یہ کچھ مشکل نہ تھا کہ غیر مسلم آبادیوں کی غارت گری کو اسلام کی خدمت ظاہر کیا جائے اور جن لوگوں کے آگے یہ استدلال پیش کیا گیا خود اُن کی خواہشات کے اس قدر مطابق تھا کہ اُنہوں نے بہ نظر تحقیق اس کی طرف غور کرنے کی تکلیف گوارا نہ کی - گویا اس طور پر احکام قرآن کی غلط ترجمانی کی گئی یا ان کو ایک سرے سے پس پشت ڈال دیا گیا، اور خلیفۂ ثانی کی رواداری نہ حکمت عملی کو ترک کردیا گیا، تاکہ محمود اور اُس کے وحشی رفیق اپنے ضمیر کو مجروح کئے بغیر ہندوؤں کے مندروں کو برباد کرسکیں-

یہ ذرا غور کا مقام ہے - ہر نئے مذہب کا دار و مدار بہت کچھ اس پر ہوتا ہے کہ جس طرح اس کو پیش کیا جائے - اگر وہ کوئی اُمید افزا پیغام ہے تو اُس کی آؤ بھگت ہوگی' اور اگر وہ بہیمانہ تخویف و تہدید کا نقاب ڈالے ہوے ہے تو لوگ اس سے نفرت کریں گے - اسلام کو اگر بحیثیت ایک عالمگیر قوت کے پرکھنا ہے تو پیغمبر خدا کی زندگی اور خلیفۂ ثانی کی حکمت عملی کے لحاظ سے اس کو دیکھنا چاہیے - مسلمانوں کی ابتدائی کامیابیوں کی وجہ یہ تھی کہ اسلام کا مقابلہ اُن مذاہب سے تھا جن کا اثر لوگوں کے دلوں پر سے جاتا رہا تھا - اسلام ان معاشرتی اور سیاسی طریقوں کے خلاف جو ادنی طبقوں کو پامال کر رہے تھے ایک انقلابی قوت لے کر آیا - ایسی حالت میں مفتوح قوموں نے اسلام کی فتح کو اپنی دلی خواہش کے مطابق پایا - اسلام نے مستبدانہ مشیخت (یا پروہتائی) اور ضعیف بادشاہی کے دور کا خاتمہ کر دیا اور مشرق میں پہلی بار مساوات کی تعلیم سے مفلوک الحال طبقوں کے ہونہار لوگوں کو ایک نیا راستہ دکھایا - اس کی بدولت عرب' شام' عجم اور عراق کی تمام کی تمام آبادیاں مشرف بہ اسلام ہوگئیں - لیکن ہندو مت کا عمیق فلسفہ اور زندہ مذہب ایران کی مجوسیت اور ایشیاے کوچک کی عیسائیت سے بہت مختلف تھا' جنھوں نے اس قدر آسانی سے فاتح کے آگے گردنیں جھکادی تھیں - ہندو مت میں کسی پرانی اندرونی بیماری کا روگ نہ تھا - ہندو اپنے رسوم سے بالکل مطمئن اور ان پر نازاں تھے - یہ ہندوؤں کی قومی خصوصیت تھی جو ان میں گہرے طور پر منقش اور دنیا پر عیاں تھی - علامہ البیرونی بیان کرتا ہے -

''اُن کا عقیدہ ہے کہ اُن کا سا نہ کوئی ملک ہے، نہ قوم، نہ مذہب اور نہ اُن کا سا کوئی علم ہے۔ وہ خود پسند، مغرور، خود رائے اور بیوقوف ہیں - ان کے اعتقاد کے لحاظ سے روے زمین پر بجز ان کے نہ تو کوئی ملک ہی ہے، نہ نسل، اور نہ اُن کے سوا کوئی فرد بشر علم و فن ہی سے واقفیت رکھتا ہے - اُن کی بد دماغی یہاں تک بڑھی ہوئی ہے کہ اگر تم اُن سے خراسان یا ایران کے کسی علم یا عالم کا تذکرہ کرو تو وہ تم کو احمق بھی سمجھیں گے اور دروغ گو بھی'' - جن لوگوں کا زاویۂ نظر اس قدر محدود ہو وہ بھلا ایک نئے پیغام کو کیا سنتے۔ مگر محمود کی روش سے اسلام کی نامقبولیت بغیر سنے ہی حاصل ہوگئی -

ہر مذہب کا اندازہ عموماً اس کے پیروؤں کے چال چلن سے لگایا جاتا ہے، اُن کے عیوب اور اوصاف اُس مذہب کا اثر خیال کئے جاتے ہیں - ہندوؤں نے مسلمانوں کو سچائی اور انصاف کے راستے سے اس قدر منحرف دیکھا تو اُن کو قطعی یہ گمان ہوا کہ اسلام ہی جادۂ راستی سے ہٹا ہوا ہے - کسی قوم کو اس طرح اپنا نہیں بنایا جاتا کہ جس چیز کو اس کے افراد سب سے زیادہ عزیز رکھتے ہوں وہ ان سے چھین لی جائے؛ نہ وہ خوش حال، مغرور، قوم ایسے مذہب سے محبت کرسکتی ہے جو فوجی لٹیروں کے بھیس میں اخلاق درست کرنے آئے اور اپنے فاتحانہ طرز روش کی یادگاریں، غارت شدہ کھیت اور برباد شہر چھوڑ جائے - ایک ایرانی نے اپنے ملک پر مغلوں کی چڑھائی کا حال ان الفاظ میں بیان کیا ہے - ''آمدند، سوختند، کندند و رفتند'' - یہی خلاصہ اگر محمود کے ہندوستانی کار نامے کا بھی کیا جائے تو نامناسب نہ ہوگا - پیغمبر خدا نے اس طرح عرب میں اسلام

نہیں پھیلایا تھا ۔ اس لیے اگر محمود غزنوی کے فاتحانہ رویّے نے اسلام کی طرف سے ہندوؤں کے دلوں میں نفرت کی آگ بھڑکا دی اور اس کی اشاعت و ترقی کو اس سے زیادہ مسدود کردیا جس قدر قلعے اور افواج کرسکتی تھیں ، تو کوئی تعجب کی بات نہیں ۔ البیرونی ذاتی مشاہدے کی بنا پر لکھتا ہے ۔ ”محمود نے ملک کی ثروت کو پورے طور پر مٹا دیا اور وہ حیرت انگیز کارنامے دکھائے جن سے ہندو سلطنتیں پارہ پارہ ہوگئیں اور خاک کے ذروں کی طرح جا بجا منتشر ہوکر لوگوں کی زبانوں پر حکایت ماضیہ بن کر رہ گئیں ۔ ہندوؤں کی خراب و خستہ یادگاروں میں مسلمانوں کی طرف سے دلی نفرت بیٹھی ہوئی ہے ، اور ہندی علوم جو مسلمانوں کے مفتوحہ علاقوں سے نکل کر کشمیر و بنارس جیسے دور و دراز حصوں میں پناہ گزیں ہوئے اس کا سبب بھی یہی ہے ۔ وہاں غیروں اور ہندوؤں کے مابین سیاسی ، مذہبی اور دیگر وجوہ سے روز بروز دشمنی بڑھتی جاتی ہے ۔“

لوگوں کی بد اعمالیاں ان کے بعد بھی زندہ رہتی ہیں ، اور نیکیاں اکثر ان کے ساتھ ہی دفن ہوجاتی ہیں ۔ ہندوؤں کے جدید عروج نے محمود کے کارنامے کو اس کی وفات کے پندرہ سال بعد خاک میں ملا دیا اور لاہور کے مشرق میں اسلام کا نشان تک باقی نہ رہا ۔ محمود کی فتوحات نے ہندوؤں کے معتقدات کو متزلزل کرنا تو درکنار خود اسلام کے لیے دوامی بدنامی مول لے لی ، لیکن دو صدیوں بعد چند لوگوں نے جو محمود سے بالکل مختلف تھے ، بالآخر اِس سر زمین میں اسلام کو لا آباد کیا ۔ زمانہ بدل گیا تھا ۔ مغلوں کی عجمی فتح سے

مسلمانوں کا مغالطہ رفع ہوگیا تھا - ایران کی ادبی نشاۃ جدیدہ کی روح پھل پھول کر فنا بھی ہوچکی تھی - تصوف کے صلح کل رویے اور ہمہ اوست کے عقیدے نے، کہ اُس میں اور رشیوں کی قدیم تعلیم میں کوئی فرق نہ تھا، ہندو مسلمانوں میں اُس تبادلۂ خیالات کو ممکن کر دکھایا، جس کی البیرونی سدا تمنا ہی کرتا رہا - وسط ایشیا کے آتش زدہ ویرانوں سے، بجائے اُن نبرد آزماؤں کے جنھوں نے موسم سرما کے مال غنیمت کی خاطر سرحد کو پار کیا تھا، مہاجرین کا لشکر اپنے وطن مالوف کو ہمیشہ کے لیے خیرباد کہہ کر ایسی جائے امن کی تلاش میں آیا جہاں وہ اپنی زندگی سلامتی سے بسر کرسکے - ہندوستان کے ازمنۂ وسطیٰ کی عقلی و ذہنی تاریخ شیخ معین الدین اجمیری (رح) کے ورود سے شروع ہوتی ہے اور سیاسی تاریخ سلطان علاءالدین خلجی کی تخت نشینی سے - دو خصوصیات اِس کو گذشتہ صدیوں سے نمایاں کرتی ہیں - اِن میں سے ایک تو صوفیانہ تبلیغ ہے، جس کی ابتدا "چشتیِ کامل" نے کی، دوسرے وہ انتظامی و اقتصادی قوانین ہیں جو اِس " انقلابی شہنشاہ " نے رائج کئے - ہمارے ملک کی اصلی تاریخ سے محمود کا کوئی تعلق نہیں ہے - لیکن جام کا تلخ ترین قطرہ ہم کو اِسی سے ورثے میں ملا ہے - آئندہ نسلوں نے محمود کو مذہبی متعصب بنادیا - حالانکہ ایسا وہ ہرگز نہ تھا اور اِسی جون میں وہ ہندی مسلمان اب بھی اُس کی پرستش کرتے ہیں جنھوں نے تعلیم الٰہی سے تو منہ موڑا ہے مگر اِن چھوٹے چھوٹے "بتوں" سے رشتہ جوڑا ہے، اسلام کے بدترین دشمن خود اس کے متعصب پیرو ہوئے ہیں -

باب چہارم

غزنوی سلطنت کا زوال اور خاتمہ

وراثت کا مسئلہ

سلطان محمود کے دونوں بڑے بیٹے ایک ہی دن پیدا ہوئے تھے - اس لیے یہ کہنا دشوار تھا کہ تخت کا کون زیادہ حق‌دار ہے - محمد ایک دیندار اور پرہیزگار شہزادہ تھا - اس نے اعلیٰ تعلیم پائی تھی اور عربی میں شعر بھی کہتا تھا ' لیکن حکومت کرنے کی صلاحیت اس میں مطلق نہ تھی - لوگوں کی نظریں لامحالہ اس کے بھائی مسعود پر پڑتی تھیں ' جو تن و توش اور زور و قوت میں اپنے زمانے کا رستم تھا - مشہور بات ہے کہ مسعود کا گرز ایک ہاتھ سے کوئی شخص نہ اٹھا سکتا اور اس کا تیر فولاد کی ڈھال کے پار ہوجاتا - اسی باعث سلطان محمود بھی مسعود پر رشک کرتا تھا - وہ یہ نہیں دیکھ سکتا تھا کہ ذاتی شجاعت کے کارناموں میں ' جو خود اس کے بس کے نہ تھے ' کوئی شخص اس سے سبقت لے جائے - یہی وجہ تھی جو محمود نے محمد کے حق میں وصیت کی اور اس کی منظوری خلیفہ سے بذریعۂ فرمان حاصل کرلی - وزیر حسنک بھی محمد کا طرفدار ہوگیا اور اس طور پر محمد کی حمایت میں امرا کا کمزور سا اتحاد قائم ہوگیا - مسعود بھلا یہ کیسے گوارا کرتا - وہ کڑک کر بولا '' شمشیر کا فیصلہ کاغذی تحریر کے بہ‌نسبت

صحیح ہوتا ہے"۔ ع، ہر کہ شمشیر زند سکہ بنامش خوانند، سلطان محمود نے جب یہ سنا تو افسوس کیا کہ واقعی مسعود سچ کہتا ہے۔

سلطان محمد

محمودی عہد حکومت کے آخری ایام میں مشرقی ایران کی فتوحات زیادہ تر مسعود ہی کی فوجی قابلیت کا نتیجہ تھیں۔ چنانچہ سنہ ۱۰۲۹ع میں جب سلطان رے سے بلخ کو واپس ہوا تو اس کو خراسان اور نو مفتوحہ علاقوں کا حاکم بناکر چھوڑ آیا۔ جب محمود فوت ہوا تو محمد کے طرفداروں نے بآسانی دارالخلافہ پر قبضہ کرلیا اور اس کو گورگان سے بلا کر تخت پر متمکن کردیا۔ سلطان نے عوام میں مقبولیت حاصل کرنے کے لیے بہت سا روپیہ لٹایا، مگر باوجود اِس فیاضی کے وہ رعایا اور سپاہ کے دل میں گھر نہ کرسکا۔ ہر شخص کو توقع تھی کہ مسعود آکر اس ناپائدار حکومت کو اکھاڑ پھینکے گا۔ سلطان محمد کو تخت نشین ہوئے ابھی دو مہینے بھی نہ گذرے تھے کہ ابوالنجم احمد ایاز، علی دایہ اور ان کے ساتھ غلاموں کی ایک جماعت دن دھاڑے شاہی اصطبل سے گھوڑے لے کر بُست کی طرف چل دی۔ ہندو دستے کے سردار سوبندرائے نے تعاقب کرکے ان کو جا لیا۔ لڑائی میں بہت سے غلام مارے گئے۔ سوبند رائے خود بھی لقمۂ اجل ہوا، لیکن ایاز اور علی دایہ بچ کر مسعود کے پاس نیشاپور جا پہنچے۔

مسعود کی روانگی

باہمی سمجھوتے کے خیال سے مسعود نے یہ صورت پیش کی تھی کہ وہ خراسان اور عراق پر اکتفا کرے گا بشرطیکہ خطبے میں اس

کا نام محمد سے پہلے لیا جائے - لیکن محمد نے اِس کا نہایت سختی سے جواب دیا - مسعود نے غزنین پر چڑھائی کردی - محمد پایۂ تخت سے نکل کر تکین آباد پہنچا - وہاں اس نے رمضان کا مہینہ گذارا - مگر قسمت میں برگشتگی تھی - عین موقع پر اس کے سب سے بڑے حامیوں، یوسف بن سبکتگین، امیر علی خویشاوند اور وزیر حسنک، نے دغا دی - عیدالفطر کے دو روز بعد تیسری اکتوبر کی شب میں وہ اس کو خیمے سے باہر گھسیٹ لائے اور قندھار کے قلعے میں قید کردیا - ان کا خیال تھا کہ مسعود ان کے فعل سے خوش ہوگا - چنانچہ اس کے استقبال کو ہرات کی طرف بڑھے - لیکن باوجود اس اظہار وفاداری کے مسعود نے ان کی پچھلی سازشوں کے قصور کو معاف نہ کیا - محمد اندھا کردیا گیا - امیرعلی خویشاوند کو سزاے موت دی گئی، اور یوسف بن سبکتگین کو حبس دوام کیا گیا اور اسی حالت میں اس نے جان دی -

حسنک کا انجام

حسنک کو ابھی بلخ کے قصاص کی رسوائی کے لیے چھوڑ رکھا - وہ وزارت سے معزول کردیا گیا اور مسعود نے اپنے باپ کے مشہور وزیر خواجہ احمد بن حسن میمندی کو قید سے رہا کرکے اپنی سابق خدمت پر بحال کردیا، جہاں وہ اٹھارہ سال تک نہایت حسن لیاقت اور رعب و داب سے کام کر چکا تھا - لیکن راندۂ درگاہ حسنک کا انجام دیکھ کر سب کو اس سے ہمدردی ہوگئی - بیہقی نے اس واقعے کو اس طرح بیان کیا ہے کہ آنکھوں کے آگے تصویر کھنچ جاتی ہے - کئی ہفتے تک تو حسنک قید میں رہا - اس کو طرح طرح کی ایذائیں دی جاتیں اور ذلیل ترین کام اس سے کرائے

جائے - آخرکار ایک روز دیوان میں اس کی طلبی ہوئی - خواجہ بزرگوار اس کے ساتھ غیر معمولی مروت سے پیش آیا - اس سے کہا گیا کہ وہ اپنی ساری جائداد سلطان کی نذر کردے اور اس بات کی ایک تحریر لکھ دے - حسنک نے حکم کی تعمیل کی اور دستاویز پر دستخط کردیئے - جب یہ ہوچکا تو دونوں وزیر نہایت ہی خلوص دل سے اپنے اپنے قصور معاف کراکر ایک دوسرے سے رخصت ہوئے - ان کی آخری ملاقات کا منظر اس قدر دردناک اور عبرت انگیز تھا کہ دیکھنے والوں پر رقت طاری ہو گئی - حسنک نے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا - "سلطان محمود کے عہد حکومت میں میں نے احکام شاہی کے بموجب آپ کی توہین کی تھی - بیشک وہ میرا قصور تھا لیکن سوائے اطاعت کے چارہ نہ تھا - مجھ کو وزارت کا عہدہ دیا گیا جس کا میں کسی طرح اہل نہ تھا - بایں ہمہ میں نے آپ کے خلاف کبھی کوئی سازش نہیں کی اور ہمیشہ آپ کے حامیوں کا طرفدار رہا - اب میں زندگی سے بیزار ہوگیا ہوں - چاہتا ہوں کہ میرے اہل و عیال کا کچھ خیال رکھا جائے اور آپ مجھ کو معاف فرمادیں -" یہ کہ کر زار و قطار رونے لگا - خواجہ کا بھی دل بھر آیا، فرمایا "میں نے تم کو معاف کیا - مگر تم کو ابھی سے اِس قدر آزردہ خاطر نہ ہونا چاہیے - کیونکہ عفو سلطانی کا امکان باقی ہے - تم خدا پر بھروسا رکھو، اگر خدانخواستہ فیصلہ تمہارے خلاف ہوا تو میں نے تہیہ کرلیا ہے کہ تمہارے اہل و عیال کو اپنی حفاظت و حمایت میں لے لونگا" لیکن سلطان نے پہلے ہی سے طے کر لیا تھا کہ کیا فیصلہ کریگا' اور پھر وزیر جنگ' بوسہل

زوزنی کی ریشہ دوانیوں نے تو حسنک کے قصاص میں کوئی شبہہ ھی باقی نہ رکھا -

سلطان محمود کے زمانے میں حسنک پر قرمطی ہونے کا الزام عائد ہوچکا تھا - وجہ یہ تھی کہ مکۂ معظمہ سے واپسی کے وقت جب کہ وہ ملک شام میں سے گذر رہا تھا، اس نے خلیفۂ مصر کا خلعت قبول کر لیا تھا - اِس پر خلیفۂ بغداد نے صدائے احتجاج بلند کی مگر محمود، جو حسنک کے معقولی عقائد سے واقف تھا، کب اِس بات کی اجازت دے سکتا تھا کہ اس کو ایک بے بنیاد اتہام کی وجہ سے سزا دلوائے - چنانچہ اس نے اپنے معتمد کو حکم دیا "اس بڈھے خلیفہ کو لکھ دو کہ محض عباسیوں کی خاطر میں نے دنیا سے لڑائی مول لی ھے - قرامطہ کو میں ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر نکالتا ھوں اور جس کسی کے متعلق ثابت ھو جاتا ھے کہ قرمطی ھے فوراً اس کو دار پر چڑھا دیتا ھوں - اگر یہ تحقیق ھوگیا کہ حسنک قرمطی ھے تو امیرالمومنین کو جبھی اس کا انجام بھی معلوم ھو جائے گا - لیکن میں نے اس کی پرورش کی ھے اور وہ مثل میرے بھائی اور بیٹوں کے ھے - وہ قرمطی ھے تو میں بھی قرمطی ھوں -" محمود کے جواب سے خلیفہ کی تشفی ھوگئی اور بات گئی گذری ہوئی - مگر محمود مر چکا تھا اور یہ دور مسعودی تھا - پرانے الزام کو از سر نو تازہ کیا گیا - دو آدمیوں کو خلیفہ کی طرف سے پیغامبر بنا کر بھیجا گیا اور انھوں نے حسنک کے قصاص کا مطالبہ کیا - مسعود نے مصنوعی انکار کے بعد خلیفہ کے ارشاد کی تعمیل کی، لیکن ھر شخص حقیقت حال سے آگاہ تھا - حسنک کا اپنی حکومت

کے زعم میں یہ کہنا کہ '' مجھے پھانسی دے دینا اگر مسعود تخت نشین ہوجائے '' اب رنگ لایا اور حسنک کو '' اس مرکب پر چڑھنا پڑا جس پر وہ آج تک سوار نہ ہوا تھا ۔''

پھانسی کے نیچے پہنچ کر حسنک نے اپنا لبادہ اور قمیص دونوں اتار پھینکے ۔ اس کا جسم چاندی کی طرح سفید اور چہرہ گذشتہ زندگی کا مرقع تھا ۔ اس نظارے سے سب لوگ آبدیدہ تھے ۔ جو سوالات حسنک سے کئے گئے اُس نے نہ تو ان کا جواب دیا اور نہ دشمنوں کی طعن و تشنیع کا برا مانا۔ اس کے ہونٹوں کی جنبش سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ کچھ پڑھ رہا ہے ۔ اس کو ایک خود پہنا دیا گیا ، تاکہ پتھروں سے اس کا چہرہ مسخ نہ ہوجائے اور پہچانا نہ جا سکے ، اس لیے کہ اُس کا سر خلیفہ کے پاس بھیجنا تھا ۔ لیکن سوائے چند آفاقیوں کے جنھیں حکومت نے روپیے کی لالچ دے کر بلا لیا تھا کسی نے پتھر کو ہاتھ تک نہ لگایا بلکہ اگر شاہی رسالے نے روک تھام نہ کی ہوتی تو ایک زبردست ہنگامہ برپا ہو جاتا جس وقت پھانسی دینے والا حسنک کے گلے میں رسی کا پھندا ڈال رہا تھا ، اس کے ہم وطن نیشاپوری زار و قطار رو رہے تھے ۔ سات برس تک اسی حالت میں حسنک کا جسم پھانسی پر لٹکتا رہا ۔ اس کی لاش سوکھ گئی تھی ، پاؤں کی ہڈیاں لٹک کر گر پڑی تھیں اور جسم کا کوئی حصہ بھی باقی نہ رہا تھا جو حسب معمول دفن کیا جا سکتا ۔ '' نہ کسی کو اس کے سر کا پتا تھا نہ دھڑ کا ۔'' حسنک کے اس دردناک انجام کی خبر اس کی ماں کو ہوئی تو عام عورتوں کے خلاف اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا ایک قطرہ بھی نہ ٹپکا ۔ البتہ

سینے سے ایک آہ نکلی - اُس نے کہا "میرے بیٹے کی بھی کیا عجیب قسمت تھی - محمود جیسے بادشاہ نے تو اس کو یہ دنیا دی اور مسعود نے دوسری -"

مسعود اور اس کی مشکلات

مسعود اب اپنے باپ کی طرح پورے طور سے تخت پر مسلط ہوگیا - ذاتی اعتبار سے مسعود بہت رعب داب والا اور ارادے کا پکا تھا - اس کے گرد لائق اور وفادار عہدہ داروں کی جماعت تھی جنھوں نے برسوں اس کے باپ کی خدمت کی تھی - اس کو کسی حریف سلطنت کا بھی خوف نہ تھا - جہاں تک حدود سلطنت، فوج، زر نقد اور مالگذاری کا تعلق تھا حکومت بہت پائدار اور مستحکم نظر آتی تھی، لیکن ایک باریک بیں نظر سے وہ خامیاں جو ہر جگہ موجود تھیں پوشیدہ نہ تھیں - محمود کی جانشینی کوئی آسان کام نہ تھا، اس کے لئے ایک زبردست شخصیت کی ضرورت تھی - مسعود حد درجے کا جلدباز اور بے پروا تھا - اس کی خود اعتمادی خطرے کے وقت بد حواسی اور خوف سے بدل جاتی تھی - اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسعود میں وہ ضبط اور استقلال موجود نہ تھا جو عقل کی پختگی سے پیدا ہوتا ہے نہ کہ جسمانی قوت سے - اس نے جب چڑھائی کی بے سوچے سمجھے اور جب حملہ کیا بے محل - مسعود میں اس بات کی مطلق صلاحیت نہ تھی کہ اپنے سے زبردست اور حقیر دشمنوں میں تمیز کر سکتا - جس زور و قوت کے ساتھ وہ میدان جنگ میں نبرد آزما ہوتا اور جس بے ڈھنگے پن سے وہ اپنے دھاووں کو ترتیب دے کر غنیم کی حملہ آوری سے پہلے خود ہی اپنی فوج کا انتظام درہم برہم

کردیتا ، اگر ان دونوں پہلوؤں کا موازنہ کیا جائے تو بہت افسوس ناک فرق نظر آتا ہے - مسعود میں نہ مدبر ہونے کی قابلیت تھی ، نہ سپہ سالار بننے کی لیاقت - بہتر ہوتا کہ وہ کسی اپنے سے زیادہ عقلمند شخص کی رائے پر اعتماد کرتا - خواجہ حسن میمندی ، جو کہ پہلے سے بھی زیادہ تزک و احتشام سے اپنے عہدۂ جلیلہ پر دوبارہ فائز کیا گیا تھا ، جہاں تک انتظامی امور کا تعلق تھا نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ حکومت کا کام انجام دے رہا تھا ، لیکن فوجی معاملات میں وہ کبھی دخیل نہ ہوتا - سنہ ۱۰۳۷ع میں اس کی موت نے دونوں صیغوں کا مسعود ہی کو مالک و مختار بنا دیا کہ جس طرح چاہے معاملات کو بنائے یا بگاڑے - چنانچہ باپ کے انتقال کے دس ہی برس بعد وہ اپنی فوج اور اس کے ساتھ سلطنت کو بھی کھو بیٹھا اور ایک غیر ملک میں پناہ گزیں ہونے پر مجبور ہوا -

مسعود کو جن دو خطرات کا سامنا کرنا تھا ان میں سے ایک تو مشرق میں رایان ہند تھے اور دوسرے مغرب میں سلجوقی - اول الذکر کو محمود نے زیر تو نہیں البتہ خوف زدہ کردیا تھا - یقین تھا کہ وہ سلطان کی وفات کی خبر سن کر ضرور اُٹھ کھڑے ہونگے - مگر ہندوستانی طبیعت کے ذرا سست واقع ہوئے تھے اور اغلب تھا کہ وہ ہر حال میں اپنے بچاؤ کی طرف زیادہ مائل رہتے - ایسی صورت میں مسعود کے لیے اس سے بہتر اور کوئی طریقۂ کار نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ پہلے سلجوقیوں کی خبر لے ڈالے قبل اس کے کہ ان کی قوت بہت بڑھ جائے اور رایان ہند کو کسی مناسب موقع کے لیے

چھوڑ رکھے - لیکن سلجوقیوں کے بڑھتے ہوئے خطرے کو چھوڑ کر مسعود نے اپنے باپ کی ریس میں پہلے ہندوستان پر اپنی قوت آزمانی چاہی، مگر اس میں وہ محمود کی سی دانائی اور سپہ سالاری کا مادہ کہاں تھا کہ بہ یک وقت مشرق و مغرب دونوں کو ہلا دیتا - ہم پہلے پنجاب کی بے مزہ داستان کی طرف متوجہ ہوتے ہیں -

پنجاب کا نظم و نسق

صوبۂ پنجاب کا محل وقوع کچھ ایسا تھا کہ محمود نے یہاں کے انتظامی اور فوجی اختیارات کو دو علحدہ علحدہ حکام کے سپرد کرنا مناسب سمجھا تھا - انتظامی امور ابوالحسن علی المعروف بہ قاضی شیرازی کے سپرد تھے، جو معمولی استعداد کا آدمی تھا (سلطان نے ایک دفعہ ترنگ میں آکر اس کو خواجۂ بزرگوار کا حریف بھی بنانا چاہا تھا) اور فوج کی کمان علی اری یارک کے ہاتھ میں تھی جو بڑا جری اور بہادر ترکی سپہ سالار تھا - قاضی اور سپہ سالار دونوں کو ایک دوسرے سے کوئی تعلق نہ تھا اور براہ راست غزنین کے ماتحت تھے - ان پر نگرانی کے لیے بوالقاسم بوالحکم کو خبر رسانوں کا افسر مقرر کیا گیا تھا - اس کا فرض تھا کہ ہر ضروری واقعے کی اطلاع غزنین کو کرے - یہ فرائض کی تقسیم اس وجہ سے عمل میں لائی گئی تھی کہ ساری قوت ایک ذات واحد کے قبضے میں نہ آجائے - اور سپہ سالار مقرر کرنے کا مقصد یہ تھا کہ ہندوستان کی لوٹ اور غارتگری کو مستقل ذریعۂ آمدنی بنایا جائے - سپہ سالار کا کام رایان ہند پر دھاوے مارنے کے سوا اور کچھ نہ تھا - یہ انتظام چل نہ سکا اور علی اری یارک اپنے

حریفوں پر حاوی ہوگیا - قاضی نے بدلے کی نیت سے فوجی ملازمت اختیار کی ' مگر ادنیٰ درجے کی خدمت پر مامور کیا گیا - اس موقع پر خواجہ کی شیریں گفتاری کام آئی - اس نے دم دلاسا دے کر اری یارک کو بلخ بلوا لیا اور وہاں اس کو قید کردیا (مارچ سنہ ۱۰۳۱ع) -

احمد نیالتگین

خواجہ نے نئے سپہ سالار اعظم ' احمد نیالتگین ' کو جو ہدایات دیں ' اُن سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ قاضی اور احمد نیالتگین کا باہمی اتحاد غزنین میں شبہے کی نظر سے دیکھا جائے گا - خواجہ نے فرمایا " یہ مغرور شیرازی چاہتا ہے کہ سپہ سالار اُس سے دبے رہیں - تم سیاسی اور مالی معاملات میں ہرگز مداخلت نہ کرنا ۔ البتہ اپنے فرائض بخیر و خوبی انجام دینا - ایسا نہ ہو کہ وہ موقع پاکر تم کو اکھاڑ پھینکے " - نیالتگین کے لاہور پہنچتے ہی انتظامی اور فوجی حکام کی جنگ پھر شروع ہو گئی - قاضی نے شکایت کی کہ نیالتگین کی شاہانہ شان و شوکت اور ترکمان غلاموں کی کثرت سے شبہہ ہوتا ہے کہ اس کا ارادہ کچھ اور ہے - مگر خواجہ کی طرفداری نے نیالتگین کا حوصلہ بڑھا دیا اور اس نے فوراً ہی ہندوستان پر لشکر کشی کی -

بنارس

احمد نیالتگین نے اپنے آقا محمود سے تیز رفتاری کا سبق لیا تھا' وہ نہایت سرعت کے ساتھ جمنا اور گنگا کو عبور کرتا ہوا یکایک بنارس میں جا نمودار ہوا - چونکہ زیادہ دیر تک ٹھہرنا خطرے سے خالی نہ تھا اس لیے نیالتگین صرف صبح سے دوپہر تک شہر پر قابض رہا - اس اثنا میں اگر کچھ ہوسکا تو اتنا کہ شہر کے تمام

پارچہ فروشوں جوہریوں اور عطر فروشوں کی دکانیں لوٹ لی گئیں - قاضی تو موقع کی تاک میں ہی تھا - اس نے فوراً اِن سب باتوں کی اطلاع خفیہ طور پر غزنین میں کردی کہ نیالتگین کے ہاتھ دولت بے حساب لگی ہے جس کو اس نے سلطان کی خدمت میں پیش نہیں کیا ہے - ''اس کے ارادوں کا حال تو کسی کو نہیں معلوم ' البتہ یہ ضرور ہے کہ وہ اپنے تئیں محمود کا بیٹا بتاتا ہے -'' خوف کہیے یا طمع کسی نہ کسی وجہ سے آخرکار نیالتگین بغاوت پر آمادہ ہو ہی گیا ' اور لاہور واپس آنے پر اس نے قاضی کو منڈکّر کے قلعے میں محصور کرلیا - خود مختاری کی جانب یہ پہلا قدم تھا - سلطان نے اپنے اعلیٰ حکام سے مشورہ کیا مگر کوئی بھی اِس بات پر رضامند نہ تھا کہ اس گرمی اور برسات کے موسم میں ہندوستان پر حملہ کیا جائے (جولائی سنہ ۱۰۳۳ع) - یہ حال دیکھ کر وزیر جنگ نے کہا ''یاد رکھو احمد نیالتگین کی فوج کا ایک آدمی بھی ایسا نہیں ہے جو اس کا ساتھ چھوڑ دے ' اور جو سپہ سالار بھی اس کے مقابل بھیجا جائے گا اس کو بہت سی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑے گا - کیونکہ نیالتگین کی ایک زبردست فوج لاہور میں مقابلہ کرنے کو تیار ہے -'' اپنے ساتھیوں کی بزدلی سے ایک ہندو سپہ سالار تلک کو غیرت آئی اور اس نے آگے بڑھ کر اس کام کے لیے اپنی خدمات پیش کیں - سلطان نے اس کو بطیب خاطر قبول فرمایا -

تلک ہندو

تلک کا طرز عمل اِس امر کو بخوبی واضح کر دیتا ہے کہ کس طرح ہندو مسلمان ایک

مشترک بادشاہ کی خدمت میں مشرق کی غیر معمولی نمک حلالی کے خیال سے متاثر ہوکر اپنے مذہبی اختلافات بھولتے جا رہے تھے - تلک باوجودیکہ ایک حجام کا لڑکا تھا - مگر شکل و صورت کے اعتبار سے نہایت وجیہ و شکیل تھا - اس نے '' عیاری ' زمانہ سازی اور جادوگری '' کا درس کشمیر میں لیا تھا - علاوہ ازیں فارسی اور ہندی کا اعلیٰ انشاپرداز تھا - شروع میں تو وہ قاضی شیرازی کے ہاں ملازم رہا - لیکن آئندہ ترقی کی امید پر خواجہ کے پاس چلا آیا اور اس کا مشیرکار اور مترجم بن گیا بلکہ بعض اہم امور بھی اس کے تفویض تھے - خواجہ کی معزولی سے تلک کے اقتدار میں کوئی فرق نہ آیا ' مسعود چست و چالاک نوجوانوں کو پسند کرتا تھا - یہی وجہ تھی کہ تلک روز بہ روز ترقی کرتا رہا - سلطان کی وفات پر وراثت کے معاملے میں ہندی افواج کے سپہ سالار سوبندرائے نے غلط راہ اختیار کی اور جب وہ ایاز کے خلاف لڑائی میں مارا گیا تو مسعود نے اس کی جگہ تلک کو دے دی - اس طور پر تلک کا شمار عمائدین سلطنت میں ہونے لگا - '' ہندو سرداروں کے دستور کے مطابق اس کے مکان پر نوبت بجتی تھی اور علم زرنگار اس کو عطا ہوا تھا - '' وہ ایک فوجی دستے کا سردار تھا ' خیمہ اور چتر جو ایک غزنوی سپہ سالار کی خصوصیت ہے اس کو بھی ملا تھا ' اور اس کو بارگاہ سلطانی کے مقربان خاص میں ہونے کا فخر حاصل تھا - بیہقی لکھتا ہے '' عقلمند لوگ ان واقعات سے متعجب نہیں ہوتے ' کیونکہ کوئی شخص پیدائشی عالی مرتبت نہیں ہوتا - بلکہ لوگ (ذاتی جد

و جہد سے) ہو جایا کرتے ہیں - '' تلک بہت خوبیوں کا آدمی تھا ' اور اس وجہ سے کہ وہ ایک حجام کا لڑکا تھا اس کو اپنی زندگی میں کوئی نقصان نہ پہنچا -

تلک نے اپنی مہم کا ایک نقشہ تیار کیا اور سلطان سے اس کی منظوری پاتے ہی فوراً باغیوں کے خلاف روانہ ہو گیا - احمد نیالتگین میں اتنی قوت نہ تھی کہ لاہور کو روکے رہتا وہ ریگستان کی طرف فرار ہوگیا - تلک نے اپنے لشکر کے ساتھ جس میں بیشتر ہندو تھے تعاقب کیا ' اور نیالتگین کا سر کاٹ کر لانے والے کے لیے پانچ لاکھ درہم انعام مقرر کیا - جہاں کہیں اس کے مسلمان ساتھی تلک کے ہاتھ پڑتے ان کا داہنا ہاتھ کاٹ ڈالتا اور جب تک کسی سے نیالتگین کی حمایت سے دست بردار ہونے کا اقرار نہ کرالیتا ہرگز نہ بخشتا - اس حکمت عملی کا جو نتیجہ وہ چاہتا تھا وہی ہوا یعنی یہ کہ تمام ترکمان سپاہی تلک سے آملے - '' احمد کی زندگی کا پیمانہ لبریز ہوچکا تھا ' اس کے ساتھی الگ ہوگئے ' اور نوبت یہاں تک آ پہنچی کہ ہر جاٹ بلکہ ہر کافر اس کے تعاقب میں شریک ہوگیا - '' آخرکار جس وقت کہ احمد دریائے سندھ کو عبور کررہا تھا چند جاٹوں نے اس کا کام تمام کردیا - مسعود نے پنجاب میں دوعملی کا طریقہ ترک کردیا اور وہاں کی حکومت اپنے بیٹے شہزادۂ مجدود کے سپرد کرکے اس کو انتظامی اور فوجی دونوں صیغوں پر پورا اختیار دے دیا - بایں ہمہ اس صوبے کی حالت دگرگوں ہی رہی اور ابتری میں کوئی فرق نہ آیا - شہروں پر غزنوی افواج کا قبضہ تھا اور دیہات پر ہندوؤں اور آزادی کا دور دورہ - جب حکومت ہی رعایا کے جذبات سے

سروکار نہ رکھتی ہو تو اس کے سوا اور ہو ہی کیا سکتا تھا -

ہانسی کی مہم
سنہ ۱۰۳۷ء

سنہ ۱۰۳۷ء کے موسم سرما میں مسعود نے ہانسی پر چڑھائی کرنے کا ارادہ کیا - اس میں شک نہیں کہ اس وقت پنجاب کی حالت قابل اطمینان نہ تھی - لیکن ہندوؤں کے مزید ایک قلعے کی تسخیر اس کو ہموار نہیں کرسکتی تھی - سلجوقی روز بروز زور پکڑ رہے تھے - خواجہ کی رائے تھی کہ پہلے مغربی دشمنوں کو زیر کر لیا جائے پھر ہندوستان کا رخ کیا جائے - اس نے عرض کیا " اگر حضور خراسان تشریف نہ لے گئے اور ترکوں نے کوئی صوبہ فتح کرلیا یا کم سے کم کسی گاؤں پر ہی قبضہ کرکے حسب عادت قتل و خوں ریزی کا بازار گرم کردیا تو ہانسی پر دس جہاد بھی اس کی تلافی نہ کر سکیں گے - " مسعود نے ایک نہ سنی چونکہ قسم کھا چکا تھا اس لیے اس کا پورا کرنا لازم تھا - غرض روانہ ہو کر کابل کی راہ جہلم کے کنارے پہنچا - یہاں وہ بیمار ہوگیا اور دو ہفتے تک صاحب فراش رہا - اس زمانے میں اس نے کچھ دنوں کے لیے شراب پینی چھوڑدی تھی - یہاں سے تین ہفتے کی مسافت کے بعد ہانسی پہنچا اور قلعے کا محاصرہ کرلیا - اس قلعے پر آج تک کوئی حملہ آور نہ ہوا تھا - محصورین نے جانوں پر کھیل کر مقابلہ کیا - اور کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا - دس دن کے محاصرے کے بعد آخرکار قلعہ فتح ہوا اور خزانہ فوج میں تقسیم کردیا گیا - مسعود یہاں سے سن پت کی طرف بڑھا - وہاں کا راجہ دیپال ہری فرار ہو گیا اور سن پت پنجاب میں شامل کرلیا گیا - ایک اور ہندو سردار مسمی رام نے قاسم کی خدمت میں اپنا خزانہ نذر کیا

اور سن رسیدہ اور ضعیف و ناتواں ہونے کے باعث خود حاضر نہ ہونے کی معافی چاہی -

غزنین واپس جانے پر سلطان کو معلوم ہوا کہ اس کی غیبت میں سلجوقیوں نے تالیقان اور فاریاب کو تاراج کر ڈالا اور رے کا محاصرہ کر رہے ہیں - مسعود اپنی ہندوستانی مہم پر بڑا نادم ہوا اور اس نے تہیہ کرلیا کہ آئندہ موسم میں سلجوقیوں کے خلاف ضرور فوج کشی کرے گا - اس طور پر غزنوی سلجوقی جنگ کا آغاز ہوگیا -

سلجوقیوں کا عروج

گبن لکھتا ہے " باوجودیکہ شہری اور درباری ترک کاروبار کی وجہ سے مہذب اور عیش و عشرت میں پڑ کر شائستہ بن گئے تھے لیکن ترکمان دہقانی (کہ غالباً سب سے زیادہ عقلمند وہی تھے) اسی پرانی لکیر کے فقیر تھے اور اُنھوں نے اپنے آبا و اجداد کے خیموں میں زندگی بسر کرنی نہ چھوڑی تھی -" ترکمان نسل کے ان دو فرقوں میں کوئی رابطۂ اتحاد و موانست نہ تھا - ترکستان کے بڑے بڑے شہروں کے تہذیب یافتہ اور زراعت پیشہ ترک، جو زراعت کی قدر و قیمت سے واقف ہوچکے تھے، اپنے ان جاہل اور کندۂ ناتراش بھائیوں کی حرکات سے نالاں تھے - ماوراءالنہر کے سردار دو صدیوں تک ان وحشی تاتاریوں کے خلاف بطور سرحدی محافظوں کے کام انجام دیتے رہے، لیکن غزنوی سلطنت کے عروج سے اُن کی قوت کمزور ہوگئی - اور وہ اس قابل نہ رہے کہ اس کام کو پہلے کی طرح انجام دیتے رہتے - ماوراءالنہر میں جو سلجوقی قبائل باقی رہ گئے تھے اُن کو آس پاس کے سردار حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے -

کیونکہ ان کے علاقوں پر وہ اکثر چھاپے مارا کرتے تھے - علی تگین کے بیٹے' جنھوں نے دوبارہ سمرقند اور بخارا پر اپنی قوت مستحکم کر لی تھی' سلجوقیوں کے کسی طرح بھی روادار نہ تھے - چنانچہ شاہ والیِ جُند نے کہ جس کے ساتھ سلجوقیوں کو عداوت ازلی تھی یکایک ان پر حملہ کیا اور آٹھ ہزار سلجوقیوں کو نہایت سفاکی سے تہ تیغ کرڈالا - بقیہ سات سو جو اس کی دستبرد سے محفوظ رہے آمو دریا کے پار چلے گئے - لیکن سنہ ۱۰۳۱ع میں یوسف قدر خان والی کاشغر نے وفات پائی - اس کے دوسرے سال ہی مسعود نے التون تاش کو جو محمود کے زمانے سے خراسان کا حاکم تھا علی تگین کے بیٹوں کے خلاف لشکر کشی کا حکم دے دیا - اس نے حکم کی تعمیل کی اور ایک زبردست ہنگامے کے بعد ان کو زیر کر کے بخارا ان سے چھین لیا - مگر التون تاش خود بھی اس معرکے میں لقمۂ اجل ہوا - مسعود نے اس کے بیٹے ہارون کو باپ کی جگہ مقرر کر دیا - اس عنایت کے صلے میں اس کور نمک نے بغاوت کی اور خمیازہ اٹھایا - مشرقی ترکستان کے تاتاری قبیلوں کی زد سے ایران کے زرخیز میدانوں کو بچانے کے لیے اگر کوئی طاقت ماوراءالنہر میں تھی تو وہ ان واقعات کی وجہ سے مفقود ہوگئی - غزنوی سلطنت کے عمال تاتاریوں کے بے خانماں جرگوں کو قابو میں لانے یا ان کا استیصال کرنے کے لیے نا اہل ثابت ہوئے - چونکہ ان کی کوئی مستقل جاے قیام نہ تھی اس وجہ سے ان کو لڑائی میں پیس ڈالنا ممکن نہ تھا - وہ منتشر ہوکر فوراً پھر ایک دوسرے سے جا ملتے تھے - اور جب ہم یہ جانتے ہیں کہ جلا ڈالنا اور تباہ و برباد کردینا

تاتاریوں کا عام دستور تھا تو اس امر کا بآسانی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ تاتاری ٹڈیوں کے اچانک حملے کا کسی ایسی آبادی پر جو آئین و قوانین کی پابند اور امن و امان سے زندگی بسر کر رہی ہو کیا اثر پڑتا ہوگا۔

ان نو واردوں کی سرداری سلجوقیوں کے ہاتھ آئی۔ سنہ ۱۰۳۶ء میں ان کے قبیلے کے تین سرداروں نے، جو روز روز کی لڑائیوں اور قلت زمین کی وجہ سے تنگ آگئے تھے، سلطان سے درخواست کی کہ نیسا اور فراواہ کے ضلعے، یعنی خراسان کے شمال مغربی پہاڑوں، آمو دریا اور ریگستان قراقرم کا درمیانی علاقہ، ان کو بطور چراگاہ کے مل جائے۔ اس درخواست پر اسماعیل بن سلجوق کے بھائی بیغو اور بیغو کے دو بھتیجوں، طغرل اور داؤد، کے دستخط تھے۔ آخر میں انھوں نے مایوسانہ انداز میں یہ بھی اضافہ کر دیا تھا کہ "دنیا میں ان کے پاس کوئی جگہ نہیں ہے اور اگر کوئی تھی تو وہ بھی اب باقی نہیں رہی۔" مسعود نے اپنے باپ کی غلطی پر تاسف کیا کہ کیوں ان شتربانوں کو سلطنت میں داخل کر لیا۔ ایک طرف اس نے سلجوقیوں کو چکنی چپڑی باتوں سے پھسلایا اور دوسری جانب سے ان کے خلاف پندرہ ہزار کی فوج روانہ کردی۔ نتیجہ ایک زبردست لڑائی میں رونما ہوا۔ غزنوی سپہ سالار بکتغدی نے سلجوقیوں کو شکست دی، مگر جونہی اس کے سپاہی مال غنیمت کی تلاش میں اِدھر اُدھر منتشر ہوئے، سلجوقیوں نے پہاڑوں اور گھاٹیوں سے نکل کر تقریباً تمام غزنوی سپاہ کو نیست و نابود کر ڈالا۔ چار و ناچار سلجوقیوں کی شرائط کو منظور کرنا پڑا۔

کامیابی نے سلجوقیوں کے حوصلے بڑھا دیے اور وہ مرو اور سرخس جیسے شہروں کی ہی نہیں بلکہ سارے خراسان کی آرزو کرنے لگے - مسعود نے اس وقت جب کہ اس کو اپنی تمام فوج خراسان کی پہاڑیوں کے جنوب میں جمع کرنی چاہیے تھی ' یہ بہتر سمجھا کہ ہانسی کے ہندوؤں پر فتحمندی حاصل کرلے - سنہ ۱۰۲۶—۱۰۳۷ع میں اس کی غیر موجودگی سے سلجوقیوں کو موقع ملا - انہوں نے تالیقان اور فاریاب کو برباد کرکے اپنے قدم جمالیے اور اب وہ شمالی ایران میں مسعود کی قوت کا مقابلہ کرنے کے قابل ہوگئے -

۱۰۳۷ع کے موسم بہار میں مسعود نے سباشی ' حاکم خراسان ' کو سلجوقیوں کے خلاف روانہ ہونے کا حکم دیا - اس نے اپنی کمزوری کا عذر کیا - لیکن سلطان نے نہ مانا اور اس کو تعمیل حکم پر مجبور کیا - سباشی کو طوعاً و کرہاً جانا پڑا ' دراں حالیکہ وہ جانتا تھا کہ شکست بدیہی ہے - ایک ہی وار میں سرخس ' مرو اور سارا کا سارا ایران سلجوقیوں کے ہاتھ آگیا اور طغرل نیشاپور میں بادشاہ بنا دیا گیا - اب مسعود اور سلجوقیوں کے درمیان کسی مستقل صلح کا ہونا نا ممکن تھا - مسعود کو گو دوسرے سال سرخس کے مقام پر کامیابی ہوئی مگر اس کا نتیجہ صرف اتنا ہوا کہ مکمل تسخیر کچھ دنوں کے لیے رک گئی -

مرو پر فوج کشی

سنہ ۱۰۴۰ع میں موسم گرما کے آغاز پر سلجوقی سرخس کے گرد جمع ہوئے - مسعود باوجودیکہ تیار نہ تھا مگر فوج کشی کے لیے آمادہ ہوگیا - اس وقت ملک میں سخت قحط پڑ رہا تھا - مسعود کے

ہوا خواہوں نے سلطان سے مہم کو فی الوقت ملتوی کر دینے کی درخواست کی مگر وہ کب سنتا تھا - مسعود کے آگے بڑھنے کے ساتھ ساتھ سلجوقی پیچھے ہٹتے جاتے تھے یہاں تک کہ مرو پہنچ کر انہوں نے اپنی ساری سپاہ کو ایک جگہ اکٹھا کر لیا - بمقابل اس کے مسعود کی فوج میں ہر منزل پر بدنظمی پھیلتی جاتی تھی - قحط کے باعث دور دراز مقامات سے اناج آتا تھا - گرمی کی وہ شدت تھی کہ الامان ، الحفیظ - اس پر طرہ یہ ہوا کہ غنیم نے تمام کنوؤں کو پٹوا دیا - غرض کہ چاروں طرف سے غزنوی مصیبت میں گھر گئے - اکثر لوگوں کے پاس گھوڑے نہ تھے - ان سب کا نتیجہ یہ ہوا کہ فوج میں کوئی ترتیب اور انتظام باقی نہ رہا - سلجوقیوں نے مرو کے قریب دندانیقان کے مقام پر مسعود کو گھیر لیا اور اس کو چار و ناچار لڑنا پڑا - اس کے سپہ سالاروں نے نہایت کمینے پن کا ثبوت دیا اور سلطان کو اکیلا چھوڑ کر بھاگ گئے - سپاہیوں نے اپنے افسروں کی پیروی کی " ترک ایک طرف گئے تو ھندوستانی دوسری طرف - نہ عرب نظر آتے تھے نہ کرد دکھائی دیتے تھے " سوائے شاہی باڈی گارڈ (جمعیت رکاب) کے کہ وہ تو سلطان کے گرد موجود تھے اور کسی کا پتا نہ تھا - مسعود نے اس موقع پر قوت و شجاعت کے وہ وہ جوہر دکھائے کہ دوست تو دوست دشمن تک لوہا مان گئے - جو اس کی برچھی کی زد میں آیا اس کا صفایا کیا ، مگر میدان ہاتھ سے جاچکا تھا - مورخ کا بیان ھے " میں نے شہزادۂ مودود کو دیکھا کہ ادھر سے ادھر گھوڑا دوڑاتا ہوا لوگوں کو جمع کرتا پھرتا ھے لیکن کوئی اس کی نہیں سنتا - سارے لشکر میں نفسی

نفسی پڑی تھی -" مسعود بہ ہزار دقت وہاں سے پیچھا چھڑا کر دارالسلطنت پہنچا - لیکن سلطنت غزنین کا خاتمہ ہوچکا تھا -

سلطان مسعود کا انجام

جو عہدہ دار سلطان کو میدان جنگ میں چھوڑکر بھاگ گئے تھے قید کردیے گئے اور شہزادۂ مودود کو فوج دے کر بلخ روانہ کیا گیا - مگر خود مسعود پر سلجوقیوں کی ہیبت اور خوف اس قدر طاری تھا کہ اس نے غزنین میں ٹھہرنا مناسب نہ جانا - اس نے شہزادۂ مجدود کو تو ملتان بھیجا اور شہزادۂ ایزد یار کو افغانیوں کی روک تھام کے لیے مقرر کیا، اور خود مع حرم شاہی کے اپنے سب میں بیش قیمت جواہرات اور خزانوں کو تین سو اونٹوں پر لادکر لاہور کا رخ کیا - ہر شخص نے اس فعل پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور سمجھایا کہ سلطان کی پایۂ تخت سے غیر موجودگی سارے انتظام کو درہم برہم کردےگی- علاوہ ازیں سفر بھی پرخطر تھا - وزیر خواجہ محمد بن عبدالصمد نے کہا "مجھ کو ہندوؤں کی وفاداری پر کوئی بھروسا نہیں ہے اور حضور کو اپنے دیگر ملازمین پر ہی کون سا اعتماد ہوسکتا ہے کہ جنگل میں خزانے ان پر چھوڑدیں" لیکن تقدیر کا پھیر کچھ ایسا آپڑا تھا کہ جو سوجھتی تھی اوندھی - مسعود کو نہ ماننا تھا نہ مانا بلکہ اس نے الٹا اپنے عہدہ‌داروں کو غداری سے مطعون کیا - درۂ مرگلہ پہنچ کر وزیر کی پیشین‌گوئی صحیح ہوئی اور جس بات کا اس نے اندیشہ ظاہر کیا تھا وہ ہوکر رہی - چند ترک اور ہندو غلاموں نے سلطان کا خزانہ لوٹ لیا اور اس خیال سے کہ گرفتاری کی شکل میں موت کے سوا اور کوئی صورتِ مفر

نہ ہوگی - انہوں نے سلطان مسعود کو بھی جس سرائے میں وہ قیام فرما تھا وہیں محصور کرلیا - اور اس کے نابینا بھائی محمد کو تخت پر بٹھادیا - مسعود گرفتار کرکے قلعۂ گری میں محبوس کیا گیا - جہاں چند دنوں بعد اس کو قتل کردیا گیا -

مودود

نو برس کی لگاتار قید نے سلطان محمد کے ولولوں کو مٹادیا تھا - وہ خود تو سادی زندگی بسر کرتا تھا اور حکومت کا کام اس نے اپنے بیٹے احمد پر چھوڑ رکھا تھا - جس کی بابت مشہور تھا کہ دیوانہ ہے - مودود نے اپنے باپ کے قاتلوں سے انتقام لینے میں ذرا تاخیر نہ کی - وہ بلخ سے فی الفور غزنین آیا اور وہاں سے دریاے سندھ کی طرف روانہ ہوا - محمد کا لشکر مقابلے کے لیے بڑھا - لیکن نگراھر کے مقام پر شکست کھائی - محمد اور اس کے بیٹے گرفتار ہوکر اِسی جگہ قتل کر دیے گئے (سنہ ۱۰۴۱ع) - مودود نے فتح کے مقام پر ایک سرائے اور ایک گاؤں فتح آباد کے نام سے آباد کیا اور اپنے باپ کے تابوت کے ہمراہ غزنین واپس ہوا - مگر نگراھر کی فتح کے باوجود پنجاب اس کے ہاتھ نہ آیا - مجدود جس کو باپ نے ملتان کا حاکم مقرر کیا تھا نہایت ہوشیار آدمی تھا - وقت اور موقع کو دیکھ کر اس نے فوراً لاھور پر قبضہ کر لیا اور ایاز کی مدد سے اپنی قوت دریاے سندھ سے لے کر ھانسی اور تھانیسر تک مستحکم کرلی - مودود نے سنہ ۱۰۴۲ع میں لاھور پر فوج کشی کی لیکن مجدود نے عین موقع پر پہنچ کر شہر کو بچا لیا - ایک زبردست لڑائی ہونے والی تھی - مودودی امرا بھی پس و پیش ہی میں

تھے کہ اتفاق سے بقرعید کے دوسرے روز مجدود اپنے خیمے میں مودہ پایا گیا - چند دنوں بعد ایاز بھی مر گیا - اس طور پر بغیر کسی جنگ و جدال کے پنجاب پر مودود کا قبضہ ہوگیا - مگر مشکلیں یہیں ختم نہیں ہوئیں -

ہندوؤں کا دوبارہ عروج ہانسی، تھانیسر - نگرکوٹ اور لاہور -

یہ صاف ظاہر تھا کہ ہندو، دشمن کی بے ترتیبی سے ضرور فائدہ اٹھائیں گے، بالخصوص جب کہ سلجوقیوں نے ان کی راہ میں اتنی آسانیاں پیدا کردی تھیں - غزنین کی شہنشاہی جو سمٹ سمٹا کر ایک چھوٹی سی حکومت کے برابر رہ گئی تھی خانہ جنگیوں میں گرفتار تھی اور ہر وقت یہ خطرہ لگا ہوا تھا کہ مغربی ہمسایوں نے اس کو اب ہضم کیا اور جب ہضم کیا - مودود اس قابل نہ تھا کہ اپنے ہندوستانی مقبوضات کی حفاظت کرتا - اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پنجاب اور دوسرے علاقوں کے راجا " جو مسلمانوں کے خوف سے لومڑیوں کی طرح جنگلوں میں پناہ گزیں ہوگئے تھے اب خود اعتمادی کے ساتھ ہمت کرکے پھر اٹھ کھڑے ہوئے " - تقدیر نے یاوری کی اور ایک ہندو جمعیت نے راجۂ دہلی کی سرکردگی میں ہانسی اور تھانیسر پر تسلط کرلیا - غزنوی عمال شہروں اور دیہات سے نکال دیے گئے، ہندوؤں پر جو مایوسی کی گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں چھٹ گئیں، اور راجاؤں نے تہیہ کرلیا کہ غنیم کو ایسی شکست فاش دیں - جس کی خوشی ہندوستان کے گاؤں گاؤں منائی جائے - ہندوؤں کے جتنے مقدس مقامات محمود نے فتح کئے تھے ان میں سے صرف ایک نگرکوٹ ہی ایسا تھا جس پر اس نے اپنا قبضہ

بر قرار رکھا تھا - ایک عام ہندو کی نظر میں نگرکوٹ پر مسلمانوں کا قبضہ یہ معنی رکھتا تھا کہ اس کا مذہب بزور شمشیر فتح کیا گیا ہے اس لیے ہندو جمعیت کا پہلا فرض یہ تھا کہ اپنی ملّت کو اس ذلت سے بچائے - چنانچہ ہندو دھرم کی فیروز مند فوج نے پورے جوش عقیدت کے ساتھ پہاڑ کے دامن میں پہنچ کر قلعے کا محاصرہ کیا - مسلمانوں کا قلعہ بند لشکر مقابلے کے لیے تیار ہوا - انہوں نے امرائے لاہور سے مدد کی درخواست کی مگر صدائے برنخاست - چار و ناچار جان اور آبرو کی سلامتی میں قلعہ دشمنوں کے حوالے کرنا پڑا - نگرکوٹ کا مندر از سر نو تعمیر کیا گیا اور ایک نیابت تخت پر بٹھایا گیا - یہ خبر سارے ہندوستان میں آگ کی طرح پھیل گئی - ہندوؤں کی مسرت کا کیا پوچھنا تھا - زائرین جوق جوق تیرتھ کی غرض سے آنے لگے اور کفر کا بازار پہلے سے بھی زیادہ گرم ہوگیا - اسلام کی شکست ہوتی نظر آتی تھی اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ ہندوؤں کا ایسا ہی ایک اور زبردست ریلا ملک میں اسلام کا نشان تک باقی نہ رہنے دے گا - لاہور کے غزنوی امرا آپس کے لڑائی جھگڑوں میں ایسے منہمک تھے کہ اپنے آقا مودود کی فرمانبرداری کا خیال تک نہ کیا اور نگرکوٹ کی قلعہ بند فوج کی درخواست کو اِس کان سن اُس کان اُڑا دیا - لیکن جب ہندو لشکر کے دس ہزار سوار اور بےشمار پیادوں کا نقارہ کان پر بجا تو چونکے اور اپنی بے سر و سامانی کا ہوش آیا - فوراً مودود کی اطاعت کا حلف اٹھایا اور شہر کی حفاظت کے لیے مستعد ہو گئے - اتفاق دیکھیے کہ ہندوؤں کی فوج بغیر محاصرہ کئے واپس ہوگئی اور لاہوری اور کے اور

مغرب میں دوسرے شہر محفوظ و مامون رہے - باقی ملک پر ہندو پھر اس طرح سے چھا گئے کہ گویا مسلمان یہاں کبھی آئے ہی نہ تھے اور محمود غزنوی نے جو اسلامی آثار ہندوستان میں چھوڑے تھے نام کو باقی نہ رہے - لیکن ہندوؤں نے بھی اپنی بپتا سے کوئی سبق نہ سیکھا - آریاورت کی خانہ جنگیوں کا خاتمہ کرنے کے لیے کوئی قوی حکومت قائم نہیں ہوئی - اور ڈیڑھ سو برس بعد شہاب الدین غوری نے ہندو راجاؤں میں ویسا ہی نفاق پایا جیسا کہ ہمیشہ سے تھا -

سلطنت غزنین کا آخری زمانہ

سلطنت غزنین کا آخری زمانہ چنداں اہمیت نہیں رکھتا، اس لیے ہم اس کا تذکرہ نہایت سرسری طور پر کریں گے - غزنوی سلطنت کے چھوٹے چھوٹے حکمران سلجوقی شہنشاہیت کے سایہ میں زندگی کے دن پورے کر رہے تھے - ان کے محلوں کی سازشیں جن کا سلسلہ نہ ختم ہونا تھا نہ ہوا - دشمنوں کے لیے باعث نفرت اور دوستوں کے لیے مایوس کن تھیں - سلطان مودود نے دسمبر سنہ ۱۰۴۹ع میں وفات پائی، اس کے بیٹے مسعود ثانی کو جو چار برس کا بچہ تھا، چچا ابوالحسن علی نے برطرف کرکے تخت پر خود قبضہ کرلیا - مگر اُس کا وقت بھی جلد آ پہنچا - عبدالرشید نامی سلطان محمود کے ایک بیٹے نے سنہ ۱۰۵۱ع میں اس کو شکست دی - اور خود تخت نشین ہوگیا - سنہ ۱۰۵۲ع میں وہ بھی اپنے غدار وزیر طغرل کے ہاتھوں قتل ہوا - طغرل چالیس روز کے اندر ہی قتل کر دیا گیا اور مسعود کے بیٹے فرخ زاد کو قید سے رہا کرکے تخت پر بٹھایا گیا - اس نے سات برس تک حکومت کی

(سنہ ۱۰۵۲—۱۰۵۹ع) - اس کی وفات پر اس کا بھائی سلطان رضی الدین ابراہیم جانشین ہوا - یہ بڑا دیندار اور پرہیزگار تھا اور چالیس سال تک حکمراں رہا (سنہ ۱۰۵۹—۱۰۹۹ع -) اس کے چھتیس بیٹے اور اچالیس بیٹیاں تھیں - بادشاہ نے حسب منشا شاہی خاندان میں بر نہ ملنے پر شہزادیوں کی شادیاں علما اور سادات سے کر دیں - سلطان ابراہیم نے ہندوستان پر دو بار چڑھائی کی - آخری مرتبہ وہ بذات خود آیا (سنہ ۱۰۷۹—۱۰۸۰ع) - اور اجودھن (جہاں بابا فرید شکر گنج کا مزار ہے اور آج کل پاک پٹن کہلاتا ہے) ہوتا ہوا روپڑ پہنچا - یہاں کا قلعہ ایک پہاڑی پر واقع تھا - اس کے ایک طرف دریا بہتا تھا اور دوسری جانب گنجان خار دار جنگل تھا جس میں سانپ بکثرت تھے - سلطان نے قلعے پر قبضہ کیا اور وہاں سے درّے کا رخ کیا - اس مقام کی تسخیر بہت پر لطف تھی' درّے میں خراسانی آباد تھے جن کو افراسیاب نے ایران سے جلاوطن کرکے ہندوستان بھیج دیا تھا - " یہ لوگ بتوں کو پوجتے تھے اور معصیت میں زندگی کے دن گذارتے تھے -" ان کے شہر کے متعلق یہ گمان تھا کہ ناقابل تسخیر ہے - چنانچہ ہندوستان کے راجا اس غیر قوم کو اپنے درمیان سے نکالنے میں کبھی کامیاب نہ ہوئے - ابراہیم گھنے جنگل کو کاٹتا ہوا آخر وہاں پہنچ ہی گیا اور بزور شمشیر شہر کو فتح کیا - اس عجیب و غریب کارنامے سے قطع نظر کرکے سلطان ابراہیم نہایت متین اور سنجیدہ آدمی تھا - وہ اپنی قوت کے حدود کو ہمیشہ پیش نظر رکھتا تھا اور اپنے وسیع عہد حکومت میں

برابر اسی کوشش میں لگا رہا کہ لوگوں کے امن و امان میں کوئی خلل انداز نہ ہو -

ابراہیم کے بیٹے علاءالدین مسعود نے سلجوقی شہنشاہ سلطان سنجر کی بیٹی سے شادی کی اور سولہ سال تک امن و آسائش سے حکومت کرکے سنہ ۱۱۱۵ع میں راہی ملک بقا ہوا - اس کے بیٹے ارسلان شاہ نے اپنی تخت نشینی کی افتتاح بھائیوں کے قتل سے کی - ان میں صرف ایک بہرام شاہ زندہ بچا کیونکہ وہ فرار ہوکر اپنے ماموں سلطان سنجر کے پاس چلا گیا تھا - سلطان سنجر نے ارسلان شاہ کو نکال باہر کیا اور بہرام کو تخت پر بٹھایا - مگر سلطان سنجر کے جاتے ہی ارسلان شاہ نے واپس آکر بہرام کو محصور کرلیا - سلطان سنجر کو دوبارہ غزنین آنا پڑا (سنہ ۱۱۱۷ع)- ارسلان شاہ گرفتار ہوا اور سال بھر کے بعد قتل کردیا گیا - معزالدین بہرام شاہ بڑا عظیم‌الشان بادشاہ تھا - اس نے دو دفعہ محمد بہالیم حاکم پنجاب کو شکست دی - مولانا نظامی نے مخزن‌الاسرار ' کو اسی کے نام سے معنون کیا ہے اور ' کلیلہ و دمنہ ' کا ترجمہ بھی اسی کے عہد میں عربی سے فارسی میں ہوا - آخری ایام میں سلطان کا سرداران غور سے کسی بات پر جھگڑا ہوگیا - جس کی وجہ سے غزنین کو غوریوں نے تباہ کرڈالا اور سلطان بہرام کی اکتالیس سال کی حکومت کا انجام رسوائی اور بربادی میں ہوا (سنہ ۱۱۵۲ع)-

سلجوقی شہنشاہیت ' سلطان طغرل

اس اثنا میں جیسے سب فانی چیزوں کا قاعدہ ہے سلجوقی شہنشاہیت بھی ترقی ' تسخیر ' استحکام اور انحطاط کے مختلف

مراحل طے کر رہی تھی - دندانیقان کی لڑائی کے بعد سے غزنوی سلطنت کے ایرانی صوبے ان کے قبضے میں آگئے تھے - اس خاندان کے پہلے فرماں روا سلطان طغرل (سنہ ۱۰۳۹-۱۰۶۳ء) نے رے کو اپنا پایہ تخت بنایا اور خراسان اپنے بھائی داؤد جعفر (چغری) بیگ کے حوالے کیا - مفتوحین جس آسانی سے ان نوواردوں سے مانوس ہوگئے اس سے خاندان سلجوق کے اعلیٰ معیار اخلاق اور دلفریب تہذیب و تمدن کا ثبوت ملتا ہے - ان نئے حکمرانوں نے اپنے وحشیانہ رویّے کو ترک کرکے ایران کی شاہی روایات کو اختیار کیا - ترکوں کی فوجی قوت اور ایرانیوں کی انتظامی قابلیت کے مل جانے سے ایک ایسی سلطنت وجود میں آئی کہ جس کی سرحد مغرب میں مصر کی فاطمی خلافت اور بازنطینی شہنشاہیت سے ٹکراتی تھی اور جس کا سرا مشرق میں خطا کے کافروں سے ملتا تھا - ایک صدی تک اطمینان اور فراغت کے دور میں کسی نے غزنوی حکومت کے زوال کا افسوس بھی نہ کیا - گبن لکھتا ہے " ترکوں کی شجاعت کی تعریف عبث ہے اور طغرل تو بہادر ہونے کے علاوہ الوالعزم بھی اسی پایہ کا تھا - وہ اپنے حدود سلطنت میں سپاہ اور رعایا کے لیے مثل باپ کے تھا - ایک مستحکم اور عادلانہ انتظام حکومت کی بدولت ایران سے بد نظمی کی خرابیاں دور ہوگئیں اور وہی ہاتھ جو خون میں رنگے ہوئے تھے امن و انصاف کے محافظ ہوگئے " شاہان غزنین کو اپنی شرم انگیز زندگی کے دن پورے کرنے کے لیے چھوڑ دیا گیا، لیکن ترک فاتحین کا سارا بوجھ عراق اور ایشیاے کوچک کے مسلمانوں اور عیسائیوں کو سہارنا پڑا - آذربائیجان کو

سلطنت میں شامل کرلیا گیا - بویہ دیلمی حکمرانوں کی قوت کو محمود اول ہی اصفہان اور رے میں صدمہ پہنچا چکا تھا اور اب تو وہ بالکل نیست و نابود ہو گئے - امیرالمومنین کو ایرانی حکومت کے وجود اور ان کے افلاس کی وجہ سے جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا ان سب سے رہائی ملی، اس کے صلے میں طغرل کو دربار خلافت سے سلطان الدولہ اور یمین امیرالمومنین کے خطابات عطا ہوئے - ایک سلجوقی سپہ سالار مسمی ایتسیزشام کو تاخت و تاراج کرتا ہوا دریائے نیل تک جا پہنچا - یہی نہیں بلکہ بازنطینی شہنشاہیت کی چھ سو میل لمبی سرحد پر جبل الطارس سے لےکر ارض روم تک ترکی افواج کا دباؤ پڑ رہا تھا - ابھی اس لڑائی کا فیصلہ نہ ہونے پایا تھا کہ طغرل نے ۷۲ سال کی عمر میں اس دار فانی سے عالم جاودانی کو کوچ کیا -

الپ ارسلان سنہ ۱۰۶۳-۱۰۷۲ع

معمولی سی خانہ جنگی کے بعد داؤد کا بیٹا الپ ارسلان تخت نشین ہوا - اس نے طغرل کی مغربی فتوحات کا سلسلہ جاری رکھا - آرمینیا اور جارجیا سلطنت میں شامل کرلیے گئے اور تین سال کی متواتر جنگ نے بازنطینی حکومت کے ایشیائی مقبوضات کا فیصلہ کر دیا - اس میں شک نہیں کہ ابتدا بازنطینی شہنشاہ رومینس ڈایوگنیز نے کی - وہ ایک لاکھ سپاہ اور بےشمار کمکی فوج ساتھ لےکر آگے بڑھا - ترکوں کو پیہم تین معرکوں میں شکست ہوئی اور ان کو دریاے فرات کے پار ہٹنا پڑا - شہنشاہ کو اپنی کامیابی کا اتنا یقین تھا کہ جب سلطان نے اپنے چالیس ہزار کے لشکر سے مقابلہ کیا تو اس نے نہایت

حقارت آمیز لہجے میں ترکوں کو حکم دیا کہ اگر وہ اپنا بھلا چاہتے ہیں تو رے کا شہر مع محلات کے شرائط صلح میں اس کے حوالے کردیں - لیکن " سلطان کی تیز رفتاری اور اعلیٰ فوجی قابلیت نے یونانیوں کی کئی گنی زیادہ فوج کو ناکارہ اور مجبور کردیا "- معدی کرب کی لڑائی میں ترکوں نے مغرور اور غیر منظم یونانیوں کو ایسی شکست فاش دی کہ وہ پھر سنبھل نہ سکے - رومینس ڈایوگنیز پا بہ زنجیر دربار میں لایا گیا - مگر الپ ارسلان اس کے ساتھ انتہا درجے کی مروت سے پیش آیا جو وہ ہمیشہ ہزیمت خوردہ حریفوں کے ساتھ روا رکھتا تھا - مغربی مہم سر کرکے سلطان مشرق میں ماوراءالنہر کی تسخیر کی طرف متوجہ ہوا - ابھی دریاے سیحون سے گذرا ہی تھا کہ کسی نے اس کو قتل کردیا اور اس طور پر ساڑھے نو برس کی حکومت کے بعد الپ ارسلان کے فاتحانہ دور کا خاتمہ ہوا -

ملک شاہ سنہ ۱۰۷۲-۱۰۹۲ ع

ملک شاہ کا عہد حکومت فرخی اور فارغ البالی کا زمانہ ہے جس میں سلجوقی شہنشاہیت منتہاے اوج پر تھی - الپ ارسلان تسخیر ماوراءالنہر کی آرزو دل میں لے کر مرا تھا - وہ بیٹے نے پوری کی اور جیحون کے اس پار کاشغر تک میں ملک شاہ کا نام خطبے میں پڑھا جانے لگا - سلطنت کی حدود اس قدر وسیع ہوگئی تھیں کہ سلطان کی عمر کا باقی تمام حصہ اس کی نگہداشت اور انتظام ملک کی غور و پرداخت میں بسر ہوا - " شاید ہی کوئی ہوگا جو اس کے دربار سے بغیر انعام حاصل کیے اٹھا ہو اور ایسا تو کوئی بھی نہ تھا

جس کے ساتھ انصاف نہ ہوا ہو" - تقویم کی اصلاح ' جو مدتوں سے نہیں ہوئی تھی ' مہندسین کی ایک جماعت نے کی جس میں شاعرِ منجم عمر خیام بھی شامل تھا - انہوں نے ملک شاہی سن جلالی کا آغاز کیا ' جو صحت وقت کے اعتبار سے جولین طریقۂ شمار سے کہیں بڑھ کر اور گریگورین طریقے کے لگ بھگ ہے ' الپ ارسلان اور ملک شاہ کے ناموں کے ساتھ ان کے زبر دست وزیر نظام الملک کا نام بھی وابستہ ہے 'سیاست نامہ' [۴۱] اس کی تصنیف ہے اور اس کا شمار مشرق کے بہترین وزرا میں ہوتا ہے - نظام الملک اس زمانے کی تمام حکمت عملیوں سے واقف اور ادب و فنون کا بڑا سر پرست تھا - بغداد کی جامعۂ نظامیہ اسی کی قائم کردہ یادگار ہے - اس نے تیس سال تک جان نثاری اور جاں فشانی کے ساتھ سلجوقی خاندان کی خدمت انجام دی - رعایا کو حکومت کا وفادار بنایا ' اور آئندہ نسلوں کے لیے ایک عمدہ یادگار چھوڑ گیا - لیکن اس قابل قدر ہستی کا انجام افسوس ناک ہوا - ملکہ ترکان خاتون اپنے بیٹے محمود کو جانشین کرانا چاہتی تھی - نظام الملک نے مخالفت کی اس وجہ سے سلطان ' نظام الملک سے ناراض ہوگیا اور اس کو برطرف کردیا - دشمن بھلا کیسے چپ رہتے - انہوں نے اس ترانوے برس کے بڈھے کو دل کھول کر بدنام کیا اور انجام کار ایک من چلے نے اس کو قتل کرکے ہی چھوڑا - ملک شاہ نے بھی دوسرے ہی مہینے عدم کا راستہ لیا -

---

[۴۱] — 'سیاست نامہ ' کو بعض اوقات علم السیاست کی کتاب خیال کیا جاتا ہے - لیکن در اصل اس کا موضوع سیاسی عیاری ہے - 'ملاحدہ ' کے خلاف امن میں بہت سا زہر اُگلا گیا ہے - اس کتاب کی اہمیت تاریخی اعتبار سے بہت زیادہ ہے -

ملک شاہ کے دو بیٹے برکیارک (سنہ ۱۰۹۲-۱۱۰۴ع) اور محمد (سنہ ۱۱۰۴-۱۱۱۷ع) یکے بعد دیگرے تخت پر بیٹھے - ان کے بعد ان کا ایک اور بھائی سنجر تخت نشین ہوا - یہ نہایت زبردست، پر شوکت و پر سطوت بادشاہ تھا - اس کے عہد میں معاملات ملکی پھر اسی شاہراہ عدل و انصاف پر آگئے، جس سے وہ گذشتہ دو حکومتوں میں منحرف ہوگئے تھے - عراق، خراسان اور ماوراءالنہر کی آبادی اور مادی خوشحالی و فارغ البالی میں ترقی ہوئی، حدود سلطنت اتنی وسیع ہوگئیں کہ اب تک نہ ہوئی تھیں - بایں ہمہ سلطان سنجر کے طویل دور حکومت میں انحطاط اور زوال کے آثار نمایاں ہونے لگے - صوبوں کے حاکم جو اتابک کہلاتے تھے آزادی کے خواب دیکھنے لگے، ترکوں کی ایک نئی نسل جیحوں کے اس پار آ اتری اور رفتہ رفتہ سلطنت کی بنیادیں ہلنے لگیں - سنجر نے اس بڑھتے ہوئے طوفان کا جوانمردی سے مقابلہ کیا اور انیس میں سے سترہ لڑائیوں میں فتحمند ہوا - لیکن وہ اپنی کامیابیوں سے فائدہ اٹھانا نہ جانتا تھا - یہی وجہ ہے کہ اس کی شکستیں کامیابیوں سے زیادہ اہم نظر آتی ہیں - سنہ ۱۱۴۱ع میں قراخطائی ترک، جو ترک وطن کر کے ماوراءالنہر میں آ بسے تھے - سلجوقیوں سے باغی ہوگئے - سنجر کو سمرقند کے قریب شکست ہوئی اور ماوراءالنہر پر کفار کا قبضہ ہوگیا - سنہ ۱۱۵۳ع میں ترکوں کے قبیلے غز نے، کہ وہ بھی باہر سے آئے تھے، سلطان کو شکست دے کر گرفتار کر لیا، اور تین سال تک اپنے پاس قید رکھا - آخر کار جب سلطان فرار ہوکر پایۂ تخت کو

واپس پہنچا تو سلجوقی شہنشاہیت کا خاتمہ ہوچکا تھا۔ ترکوں نے خراسان کو برباد کرڈالا تھا اور اتابکوں نے مرکزی حکومت کا جوا کندھوں سے اتار پھینکا تھا۔ شاہان سلجوق کا آخری چراغ بہتر برس کی عمر میں ساری زندگی اپنے بزرگوں کے کارنامے اور ان کی تہذیب کے تحفظ کی ناکام کوششیں کرکے ہمیشہ کے لیے گل ہو گیا۔

سلجوقیوں کے سایۂ عاطفت اور سر پرستی میں ایرانی تہذیب معراج کمال پر پہنچ گئی۔ بارھویں صدی کے وسط میں غزنوی سلطنت اور سلجوقی شہنشاہیت دونوں کا خاتمہ ہو گیا۔ ان کی جگہ غور اور خوارزم کی حکومتوں نے لی لیکن ابھی دونوں میں ایک بھی پایۂ تکمیل کو نہ پہنچی تھی کہ اسلامی دنیا پر وحشی مغلوں کے دل بادل چھا گئے۔

ہندستانی اکیڈیمی صوبۂ متحدہ

الہ آباد کے مطبوعات

۱—از منۂ وسطیٰ میں ہندستان کے معاشرتی اور اقتصادی حالات - از علامہ عبداللہ بن یوسف علی ' ایم-اے ' ایل ایل ایم ' سی - بی - اے ' مجلد ۱ روپیہ ۴ آنہ - غیر مجلد ۱ روپیہ -

۲—اُردو سروے رپورٹ - از مولوی سید محمد ضامن علی صاحب ایم - اے - ۱ روپیہ -

۳—عرب و ہند کے تعلقات - از مولانا سید سلیمان ندوی - ۴ روپیہ -

۴—جرمن (ناٹن ڈراما) مترجمۂ مولانا محمد نعیم الرحمان صاحب ' ایم-اے ' ایم-آر ' اے-ایس - ۲ روپیہ ۸ آنہ -

۵—فریبِ عمل (ڈراما) مترجمۂ بابو جگت موہن لال صاحب ' رواں - ۲ روپیہ -

۶—کبیر صاحب- مرتبۂ پنڈت منوہر لال زتشی- ۲ روپیہ -

۷—قرونِ وسطیٰ کا ہندستانی تمدن- از رائے بہادر مہا مہو اُپادھیا پنڈت گوری شنکر ہیرا چند اوجھا ' مترجمۂ منشی پریم چند - قیمت ۴ روپیہ -

۸—ہندی شاعری- از ڈاکٹر اعظم کریوی- قیمت ۲ روپیہ -

۹—ترقیِ زراعت - از خانصاحب مولوی محمد عبدالقیوم صاحب ڈپٹی ڈائرکٹر زراعت - قیمت ۴ روپیہ -

۱۰—عالمِ حیوانی - از بابو برجیش بہادر، بی - اے،
ایلَ ایل بی - ۶ روپیہ ۸ آنہ -

۱۱—معاشیات پر لکچر - از ڈاکٹر ذاکر حسین، ایم - اے،
پی ایچ ڈی - مجلد ۱ روپیہ ۸ آنہ، غیر مجلد
۱ روپیہ -

۱۲—فلسفۂ نفس - از سید ضامن حسین نقوی - قیمت
مجلد ۱ روپیہ ۸ آنہ، غیر مجلد ۱ روپیہ -

۱۳—مہاراجہ رنجیت سنگھ - از پروفیسر سیتارام کوہلی،
ایم - اے - قیمت مجلد ۴ روپیہ ۸ آنہ، غیر مجلد
۴ روپیہ -

۱۴—جواہرِ سخن - مرتبۂ مولانا کیفی چریا کوٹی -
جلد اول - قیمت مجلد ۵ روپیہ، غیر مجلد ۴ روپیہ
۸ آنہ - جلد دوم - قیمت مجلد ۸ روپیہ ۸ آنہ،
غیر مجلد ۸ روپیہ - جلدسوم - قیمت مجلد ۶ روپیہ
۸ آنہ، غیر مجلد ۶ روپیہ - جلد چہارم - قیمت
مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ، غیر مجلد ۲ روپیہ -

۱۵—علم باغبانی - از مسٹر وصی اللہ خاں- ایل-اے-جی-
قیمَت مجلد ۶ روپیہ ۸ آنہ، غیر مجلد ۶ روپیہ -

۱۶—انقلابِ روس - از کشن پرشاد کول - ممبر سرونٹس
آف انڈیا سوسائٹی لکھنئو - قیمت مجلد ۳ روپیہ،
غیر مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ -

۱۷—چند دکھنی پہیلیاں - از محمد نعیم الرحمان،
ایم-اے، استاد عربی و فارسی، الہ آباد یونیورسٹی -
قیمت ۱ روپیہ ۴ آنہ -

۱۸—تاریخِ فلسفۂ سیاسیات - از محمد مجیب ، بی-اے (آکسن) جامعۂ ملیۂ اسلامیہ - دھلی - قیمت مجلد ۴ روپیہ ۸ آنہ غیر مجلد ۴ روپیہ -

۱۹—انگریزی عہد میں ہندوستان کے تمدن کی تاریخ - از علامہ عبداللہ یوسف علي صاحب - قیمت مجلد ۴ روپیہ ، غیر مجلد ۳ روپیہ ۸ آنہ -

۲۰—فلسفۂ جمال - از ریاض الحسن صاحب ، ایم - اے - قیمت ۱ روپیہ -

۲۱—دیوانِ بیدار - از جلیل احمد قدوائی صاحب - ام-اے قیمت مجلد ۲ روپیہ ، غیر مجلد ۱ روپیہ ۸ آنہ -

۲۲—نفسیاتِ فاسدہ - از معتضد ولی الرحمان صاحب ، ایم - اے - قیمت مجلد ۸ روپیہ ۸ آنہ ، غیر مجلد ۸ روپیہ -

۲۳—سلطان الہند محمد شاہ بن تغلق - از پروفیسر آغا مہدی حسین، ایم - اے، پی - ایچ - ڈی، ڈی-لٹ - قیمت مجلد ۳ روپیہ ، غیر مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ -

۲۴—نظام شمسی - مترجمۂ شیخ جگو، بی-اے، ایل-ٹی، قیمت ۹ روپیہ -

۲۵—سلطان محمود غزنوی - مترجمۂ سید جمیل حسین- ایم - اے (علیگ) - قیمت ۱ روپیہ -

زیر طبع

۲۶—رقعات غالب - مرتبۂ مولوي مہیش پرشاد صاحب -

ہندستانی اکیڈیمی - یو، پی الہ آباد -

پرنٹر—غلام اصغر، سٹی پریس، الہ آباد- پبلشر—ڈاکٹر تارا چند، ہندستانی اکیڈیمی- الہ آباد -